وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

تابعین اصحابِ احمدؑ

جلد اوّل

مؤلفہ
ملک صلاح الدین ایم۔اے
قادیان

الناشر
احمدیہ بُک ڈپو۔ ربوہ۔ (پاکستان)
بار اوّل
دسمبر ۱۹۶۱ء

فہرست تابعین اصحاب احمدؑ

اعلان بابت جلد دوم

حضرت پیر اکبر علی صاحبؓ۔ حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ (مع سوانح محترم حافظ ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحبؓ) اور حضرت شیخ عبدالرب صاحب لائل پوری اور بعض اور احباب کے سوانح شائع کرنا مدنظر ہے۔ ان کی سیرت کے متعلق احباب جو کچھ تحریر فرمائیں شکریہ کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔ مؤلف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

پیش لفظ

صحابہ کرامؓ اور ان کے نیک تابعین کی تعریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔
وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ وَاَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ؕ

جہاں صحابہ کرام کے نیک سوانح محفوظ کرنے کی ضرورت ہے وہاں نیک طینت تابعین کی نیکی اور تقویٰ اور تعلق باللہ کا بیان بھی افادیت کا حامل ہے۔ سوانح حیات کا مطالعہ انسانی نفوس پر ایک گہرا اور پائیدار اثر پیدا کرتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے طفیل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ہمیں ہزارہا برکات حاصل ہوئیں۔ آپ نے صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم میں ایک حیرت انگیز انقلاب برپا کیا اور خلفاء کرام اور صحابہ کے اسوۂ حسنہ اور وعظ و تلقین سے اللہ تعالےٰ نے تابعین کا ایک کثیر گروہ پیدا

فہرست تابعین اصحابِ احمدؑ

اعلان بابت جلد دوم

حضرت پیر اکبر علی صاحبؓ۔ حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ (مع سوانح محترم حافظ ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحبؓ) اور حضرت شیخ عبدالرب صاحب لائل پوری اور بعض اور احباب کے سوانح شائع کرنا مدنظر ہے۔ ان کی سیرت کے متعلق احباب جو کچھ تحریر فرمائیں تشکریہ کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔ مؤلف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

پیش لفظ

صحابہ کرامؓ اور ان کے نیک تابعین کی تعریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

جہاں صحابہ کرام کے نیک سوانح محفوظ کرنے کی ضرورت ہے وہاں نیک طینت تابعین کی نیکی اور تقویٰ اور تعلق باللہ کا بیان بھی افادیت کا حامل ہے۔ سوانح حیات کا مطالعہ انسانی نفوس پر ایک گہرا اور پائیدار اثر پیدا کرتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ہمیں ہزارہا برکات حاصل ہوئیں۔ آپ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ایک حیرت انگیز انقلاب برپا کیا اور خلفاء کرام اور صحابہ کے اُسوۂ حسنہ اور وعظ و تلقین سے اللہ تعالیٰ نے تابعین کا ایک کثیر گروہ پیدا

فرمایا۔ جو صحابہؓ کے نقشِ ثانی کا رنگ رکھتا ہے۔ اور ان کی زندگیاں بھی صداقتِ احمدیت دعاؤں کی قبولیت اور فدائیت کا حیرت انگیز اور ایمان افروز واقعات سے بھرپور ہیں اور ان کا مطالعہ ازدیادِ ایمان کا موجب ہوتا ہے۔ راقم آثم جیسا شخص بھی ان کے حالات سے ایسا متأثر ہوا۔ کہ اس کی آنکھیں بے اختیار اشکبار ہونے لگیں۔

اخویم شیخ عبدالقادر صاحب (سابق سوداگر مل) مُربّی لاہور کے سوانح خصوصًا اس بناء پر ہیں نے شائع کئے ہیں کہ ان کی زندگی پر جو انقلاب آیا ہے وہ ظاہر و باہر ہے مَتَّعَنَا اللّٰہُ بِطُوْلِ حَیَاتِہٖ۔ آمین۔ اے اللہ تو ہم سب کا انجام بخیر فرما۔ آمین۔

نیز دست بدعا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ "تابعین اصحاب احمد" کے کام کو بھی بحسن نیت اور باحسن طریق کرنے کی توفیق عطا کرے اور اسے حسن قبول عطا فرمائے آمین

خاکسار

صلاح الدین ملک ایم۔اے

ممبر و آڈیٹر ہر سہ انجمن ہائے (صدر انجمن احمدیہ، انجمن تحریک جدید و انجمن تحریک وقفِ جدید)

مسجد مبارک۔ قادیان
(بھارت)
۳ نومبر ۱۹۶۱ء۔ یوم الجمعہ

محترمہ حمیدہ صاحبہ (سابقہ جمنا دیوی)

خاندانی حالات

محترمہ حمیدہ صاحبہ کا سابق نام جمنا دیوی تھا۔ آپ دیوی چند رب انسپکٹر قوم برہمن گوت بھاردواج ساکن سنّور ریاست پٹیالہ کی صاحبزادی تھیں آپ کے خاوند پنڈت رلیا رام قوم برہمن ساکن قصبہ نبوڑ ریاست پٹیالہ تھے جو نسلاً بعد نسل درزی۔ دھوبی۔ ترکھان۔ چھیبے وغیرہ اقوام کے جو اضلاع لدھیانہ۔ پٹیالہ۔ انبالہ میں سکونت پذیر تھیں پروہت تھے۔ پنڈت صاحب نبوڑ میں ساہوکارہ کاروبار کرتے تھے۔ آپ کی حسن معاملگی کے باعث بہت چل نکلا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بڑے بیٹے شادی رام کی غلط کاریوں کی وجہ سے یہ کاروبار فیل ہو گیا۔

ایک بیٹے کا قبولِ اسلام

موصوفہ کے دوسرے بیٹے پنڈت کشن لعل نے آپ کے کہنے پر چونگی کی ملازمت کر لی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ اند
زیرِ آں گنج کرم بنہادہ اند

اسی ملازمت سے قبل ایسے واقعات پیش آئے۔ کہ آپ کے خیالات دیوی دیوتاؤں سے منحرف ہو گئے اور آپ کے قلب صافی میں یہ یقین راسخ ہو گیا کہ دیوی دیوتاؤں میں کوئی طاقت و صداقت نہیں۔ اب اس ملازمت کے دوران میں بعض مسلمانوں سے مذہبی گفتگو ہونے لگی۔ جس سے آپ کے دل پر توحید و عظمتِ الٰہی کا اثر ہوا۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی کتب بھی پڑھیں۔ چنانچہ آپ کا دل صداقتِ اسلام کا قائل ہو گیا۔ اور آپ نے نماز سیکھ کر تین مقاصد کے لئے دعائیں کرنی شروع کیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے حیرت انگیز رنگ میں دعائیں قبول کر لیں۔ ایک صحابی ۱۹۰۴ء میں قادیان آنے لگے تو آپ ان کے ہمراہ قادیان آئے اور حضرت مسیح موعودؑ کے دستِ مبارک پر اسلام و احمدیت قبول کر لی۔

وطن میں آپ کے قبولِ اسلام کا علم آپ کے اقارب اور اہالیانِ شہر کو نہ تھا۔ خود ہی اس کا راز سب پر افشا ہو گیا۔ اور آپ نے دلیرانہ اس کا اعلان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو

---

[1] یہ حالات آپ کے صاحبزادہ محترم شیخ عبدالرحیم صاحب شرما (سابق کشن لعل) حال مقیم ربوہ سے حاصل ہوئے ہیں۔ شیخ صاحب کے دلچسپ اور ایمان افروز حالات کے لئے دیکھئے اصحاب احمد جلد دہم۔

استقامت بخشی۔ آپ کی اہلیہ اور دونوں لڑکے آپ سے الگ ہو گئے۔ جو بعد میں طاعون کا شکار ہو گئے۔ اس وقت آپ کی والدہ بھی آپ سے الگ ہو گئی تھیں۔ دینی شغف کے باعث ۱۹۱۰ء میں آپ رسالہ تشحیذ الاذہان کا حساب کتاب رکھنے کی ملازمت پر معمولی مشاہرہ پر قادیان چلے آئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایک نیک خاندان میں شادی کا انتظام کر دیا۔ بعد ازاں آپ صدر انجمن احمدیہ کی ملازمت میں آ گئے اور اس سے پنشن لی۔ اور اب ربوہ میں قیام رکھتے ہیں۔ اخویم شیخ عبدالکریم صاحب شرما مجاہد مشرقی افریقہ اور اخویم شیخ عبدالرشید صاحب شرما صدر جماعت احمدیہ شکارپور (سندھ) آپ کے فرزند ہیں۔

موصوفہ کا قبول اسلام

محترم شیخ عبدالرحیم صاحب والدہ محترمہ کے قبولِ اسلام کے حالات یوں بیان کرتے ہیں:۔

"والدہ محترمہ ابتداء میں کٹر سناتنی خیالات کی تھیں۔ مسلمانوں سے حد درجہ چھوت چھات کرتی تھیں۔ مجھے ملنے کے لئے ۱۹۱۴ء میں قادیان آئیں۔ یہاں آ کر سخت مخالفت کرتی رہیں۔ ہندو ہونے کی حالت میں یہاں قریباً چھ سال رہیں۔ اس عرصہ میں اپنا کھانا پینا۔ چولھا چوکا الگ رکھا۔ مجھے بھی اپنی رسوئی کے نزدیک نہ آنے دیتی تھیں۔ چونکہ مسلمانوں کا پانی نہیں پیتی تھیں۔ اس لئے ان کی وجہ سے ہندوؤں کا مکان کرایہ پر لینا پڑا جس میں کنوآں بھی تھا۔ ہمارے لئے سقہ باہر سے پانی لاتا تھا۔ وہ اپنے لئے پانی کنوئیں سے لے لیتی تھیں۔ ہندو ماحول میں رہتے ہوئے ان کا اسلام قبول کرنا مشکل تھا۔ ان کا ماحول تبدیل کرنا میرے بس میں نہ تھا۔ ان کی ہدایت کے لئے دعائیں کرتا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد خدا تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مالک مکان نے اپنی ضرورت کے لئے مکان خالی کروا لیا۔ ہندو محلہ میں دوسرا مکان تلاش کیا گیا۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ مجبوراً والدہ صاحبہ احمدیوں کے محلہ میں رہنے کے لئے رضامند ہو گئیں۔ چنانچہ ہم حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکانوں میں اُٹھ آئے۔ یہاں آ کر آہستہ آہستہ ان کی چھوت چھات کی عادت میں ایک حد تک کمی آ گئی اور اسلام کے متعلق باتیں سُننا بھی شروع کر دیں۔ حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ موجد قاعدہ یسرنا القرآن ان کو تبلیغ کیا کرتے تھے۔ میں بھی ان کو تبلیغ کرتا رہتا تھا۔ قرآن کریم اور اس کا ترجمہ پڑھ کر سناتا رہتا تھا۔ اچھے ماحول میں آ جانے کی وجہ سے آہستہ آہستہ اسلام نے دل پر اثر کرنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ ایک دن ایک رؤیا کے زیر اثر خود بخود اسلام قبول کرنے کے لئے رضامند ہو گئیں۔ اس روز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کسی تقریب پر حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کے ہاں تشریف

لائے ہوئے تھے آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ حضور نے ان کا اسلامی نام حمیدہ رکھا۔

حضرت صاحب سے ان کو بہت محبت تھی۔ عموماً جلسوں میں کوشش کرتیں کہ آگے جگہ ملے جہاں حضور کا رُخِ انور اچھی طرح سے نظر آئے۔ حضرت صاحب کو دیکھتے ہی ان پر رقت طاری ہو جاتی۔ جب تک زندہ رہیں ہمارے گھر میں قرآن کریم کے درس کا سلسلہ بالالتزام جاری رہا۔ صبح کی نماز کے بعد خواہش سے قرآن کریم سننے کے لئے میرے پاس آ بیٹھتیں۔ نہایت درجہ رقیق القلب تھیں۔ انبیاء علیہم السلام کے حالات سُنتیں تو رقت طاری ہو جاتی۔ اور فرمایا کرتیں کہ خدا تعالیٰ کے بھگتوں کے ساتھ ایسے حالات ہی پیش آیا کرتے ہیں۔ ہندو روایات اور بھجن خوب یاد تھے۔ بچوں کو سُنا سُنا کر بہلایا کرتی تھیں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد قریباً پندرہ سال زندہ رہیں۔ پھر دوبارہ اپنے وطن نہیں گئیں بقیہ عمر قادیان میں ہی گزاری۔ صوم و صلوٰۃ کی سختی سے پابند تھیں۔ بوجہ بڑی عمر ہونے اور عربی زبان سے غیر مانوس ہونے کے نماز بڑی جدّ وجہد سے یاد کی تھی۔ ترجمہ بھی یاد کیا تھا۔ نماز میں ترجمہ بھی ساتھ ساتھ دوہرایا کرتی تھیں۔ فرمایا کرتی تھیں کہ اگر میں ترجمہ ساتھ نہ پڑھوں تو مجھے یہ یاد نہیں رہتا کہ کس لفظ کے کیا معنی ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں قریباً پچھتر سال کی عمر میں وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ وصیت کی ہوئی تھی بہشتی مقبرہ قادیان میں دفن ہونے کی سعادت ملی[1] غالباً یہ پہلی نو مسلمہ ہیں۔ جنہیں بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے کی سعادت ملی۔ اللہ تعالیٰ ان پر بے شمار برکات اور رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین"

حق یہ ہے کہ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ اے اللہ! ہم پر بھی اپنے فضل کی بارش برسا اور اپنی رضا کا مقام حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما۔

آمین

[1] الفضل میں زیر "مدینۃ المسیح" مرقوم ہے:۔
"منشی عبدالرحیم صاحب نو مسلم کلرک دفتر بیت المال کی والدہ صاحبہ جنہوں نے ضعیف العمری میں اسلام قبول کیا تھا، ۲۷-۲۸ اگست کی درمیانی شب وفات پا گئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے جنازہ پڑھایا اور مرحومہ بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئیں احباب دعائے مغفرت کریں۔" (بابت ۳۱/۸/۳۵)
مرحومہ کا وصیت نمبر ۲۲۶۹ مورخہ ۱/۱/۲۵ تھا۔ آپ کی وصیت ایک سو روپیہ کے ۱/۳ کی تھی۔

چوہدری فتح دین صاحبؓ[1]

محترم چوہدری فتح دین صاحب ولد چوہدری دادن خاں قوم دھاریوال سکنہ موضع دھاناں والی ملیہاں دی متصل بدوملہی ضلع سیالکوٹ بعدہٗ متوطن چک ۱۳۲ جنوبی سرگودھا۔ معمولی خواندہ تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی عمر اڑتالیس سال تھی۔ ۱۹۳۷ء میں فوت ہوئے اور اپنے چک میں دفن ہوئے۔ وصیت نہیں تھی۔ آپ نے تصویر نہیں کھنچوائی تھی۔ آپ کی اہلیہ محترمہ گوہر بی بی قوم ڈھینگ سکنہ موضع ورسال ضلع سیالکوٹ تھیں۔ غلام حیدر (جو صحابی تھے) غلام رسول اور غلام حسین تینوں بیٹے وفات پا چکے ہیں۔

اپنے بیٹے چوہدری غلام حیدر صاحب کی تبلیغ سے جو غالباً ۱۹۰۲ء میں بیعت کر چکے تھے آپ نے بھی بیعت کی۔ آپ بیان کرتے تھے:۔

"میں نے اگرچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بیعت کرنے کے بعد نہیں دیکھا لیکن آپ کے دعویٰ کرنے سے قبل حضور کو سیالکوٹ میں دیکھا تھا جبکہ آپ نقل نویس تھے۔ اس دفتر میں پچیس تیس آدمی ہوا کرتے تھے۔ حضرت صاحب صرف نقول پر دستخط کیا کرتے تھے میں نے حضرت صاحب کو بازار میں چلتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ پگڑی اس طرح باندھا کرتے تھے جس طرح آجکل چوہدری حاکم علی صاحب پنیار چک ۹ ضلع شاہ پور باندھا کرتے تھے اس پگڑی سے اوپر ایک کپڑے کو اس طرح لپیٹ لیتے تھے۔ کہ صرف آپ کا ناک نظر آیا کرتا تھا۔ جب دھیان اوپر کرتے تھے تب آپ کی آنکھیں نظر آتی تھیں اور سر نیچا کئے ہوئے بازار میں چلے جاتے تھے۔ اگر کسی کو کوئی کام حضورؑ سے ہوتا۔ تو وہ حضرت صاحب کے ساتھ ساتھ چلا جاتا۔ اور حضرت صاحب بات سنتے چلے جاتے تھے۔ میں نے تحریری بیعت ۱۹۰۴ء میں کی اور دستی بیعت حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کے زمانہ میں جلسہ سالانہ ۱۹۰۸ء میں کی۔"

محترم چوہدری فتح دین صاحب چندوں کی ادائیگی میں باقاعدہ تھے بیعت کے بعد آپ کی مخالفت ہوئی جو آپ نے ثابت قدمی سے برداشت کی۔ آپ سلسلہ کے لئے بہت غیرت رکھتے تھے۔

[1] یہ سوانح مجھے اخویم مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہُ اللہ تعالےٰ سے حاصل ہوئے ہیں۔ بیعت اور زیارت حضرت اقدس علیہ السلام کے متعلق مرحوم کی روایت انور صاحب نے ان سے ۲۸ جولائی ۱۹۳۳ء کو قلمبند کی تھی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

قاضی تونگر علی صاحبؓ[1]
قاضی اشفاق علی صاحبؓ (پسر)
قاضی شاد بخت صاحب (پوتے)
سیدہ خدیجہ خاتون صاحبہؓ
(اہلیہ قاضی شاد بخت صاحب)

خاندانی حالات آپ عباسی خاندان کے نونہال تھے۔ اس شاخ کے جدّ امجد بمقام پرتاپور ضلع مین پوری تحصیل بھوگام (یو۔پی) میں آکر آباد ہوئے تھے اور ان کے پڑپوتے کے بیٹے قصبہ علی پور کھیڑہ ضلع مین پوری میں چلے آئے تھے اور اب اس خاندان کا یہی وطن ہے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ نے تفسیر کبیر میں سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر میں بنی اسرائیل کی مانند دو بار تباہیوں کے متعلق پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے تعلق میں خلافت عباسیہ کی تباہی کے بیان میں اسی خاندان کے شجرہ کا ذکر فرمایا ہے۔ حضور رقم فرماتے ہیں:۔

"اٹھارہ لاکھ مسلمان صرف بغداد اور اس کے گرد و نواح میں قتل کیا گیا۔ شاہی خاندان کے تمام لوگوں کو ان کی فہرستیں بنوا بنوا کر اور تلاش کر کر کے قتل کیا گیا کہتے ہیں کہ صرف ایک شخص بھاگ کر بچ سکا۔ اور اسی کی نسل سے بہاولپور کے والیانِ ریاست ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی بھی خاندان ایسا نہیں جو اپنے آپ کو عباسیوں کی طرف منسوب کرے۔ (اس نوٹ لکھنے کے بعد مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ یو۔پی میں عباسی خاندان کی بعض شاخیں موجود ہیں ان میں سے ایک نے مجھے اپنا شجرہ نسب بھی بھجوایا ہے۔" (صفحہ ۸۰۳)

[1] یہ سوانح ان کے پوتے قاضی شاد بخت صاحب ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس پنشنر حال مقیم قادیان سے حاصل ہوئے ہیں قاضی تونگر علی صاحبؓ کے برادر زادہ قاضی اشرف علی صاحبؓ کے حالات میں اصحاب احمد جلد دہم میں اس خاندان کا شجرہ بھی دیا گیا ہے۔ قاضی تونگر علی صاحبؓ اور قاضی اشفاق علی صاحبؓ کی تصاویر موجود نہیں۔

قبولِ احمدیت

سید تفضل حسین صاحب[1] اٹاوی غالباً ۱۸۹۶ء میں تحصیل بھوگام میں بطور تحصیلدار متعین ہوئے۔ اور آپ کی تبلیغ سے قاضی تونگر علی صاحب[2] نے احمدیت قبول کی۔

لیکن آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کا موقعہ نہیں ملا۔ قاضی صاحب کے زیر اثر ان کے برادر زادہ قاضی اشرف علی صاحب نے ۱۹۰۵ء میں احمدیت قبول کی۔ اور قادیان آکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت بھی کی۔ قاضی تونگر علی صاحب اپنے خاندان میں احمدیت کے آدم تھے۔ آٹھ پشت اوپر جدّ امجد قاضی محمد سالم جو علی پور کھیڑہ آئے تھے۔ ان کی قریباً ساری اولاد احمدی ہو چکی ہے۔ اس کا سہرا آپ ہی کے سر پر ہے۔ آپ کے تین پوتوں قاضی شادبخت صاحب، قاضی فیروز بخت صاحب اور قاضی ہمایوں بخت صاحب نے بھی آپ کے زیر تبلیغ ۱۹۰۵ء ہی میں بیعت کر لی تھی۔ گو کسی کو حضرت اقدس کی زیارت کا موقعہ نہیں ملا۔

نیک سیرت

آپ نے کچھ عرصہ پولیس کی ملازمت بھی کی پھر یہ ملازمت آپ نے ترک کر دی۔ بعد ازاں کچھ عرصہ ریاست لکھنا ضلع اٹاوہ کے جاگیردار کے ایک بچے کے اتالیق کے طور پر کام کیا۔ ۱۹۲۸ء کے قریب وفات پائی۔ صداقت شعار تھے کسی کی تکلیف آپ کے لئے تکلیف کا موجب ہوتی۔ آپ کے بیٹے قاضی اشفاق علی صاحب سب انسپکٹر پولیس اور قاضی محمد اسحٰق صاحب ہیڈ کنسٹبل اور پوتے قاضی شادبخت صاحب سب انسپکٹر پولیس تھے اس لئے آپ ان سب کو خاص طور پر نصیحت کرتے تھے کہ حاکمیت کے گھمنڈ میں کسی کو بھی ناجائز تکلیف نہ دو۔ آپ صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے۔ اقارب کو خوب تبلیغ کرتے تھے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ اور مثمر ثمرات حسنہ بنایا۔

قاضی اشفاق علی صاحب

قاضی تونگر علی صاحب کے فرزند قاضی اشفاق علی صاحب سب انسپکٹر پولیس نے والد صاحب کو اپنا ایک خواب لکھا انہوں نے تحریر فرمایا۔ کہ فوراً بیعت کر لو۔ چنانچہ اس سعادت مند فرزند نے حضرت خلیفہ اوّل رض کے عہدِ مبارک میں احمدیت قبول کر لی۔ ۱۹۱۹ء میں وفات پائی۔ آپ نے اٹاوہ جھالنی للت پور اور بلند شہر وغیرہ میں کوتوال شہر یا سب انسپکٹر پولیس کے طور پر کام کیا۔ صوم و صلوٰۃ کے پوری طرح پابند تھے۔ چنانچہ ایک بار جبکہ آپ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پیشکار

[1] سید صاحب کی بیعت اٹھترویں نمبر پر ۷؍اپریل ۱۸۸۹ء کی ہے۔ (نقل رجسٹر بیعت)

[2] بیعت "قاضی تونگر علی صاحب علی پور کھیڑہ ض ن (یعنی ضلع) مین پوری" الحکم مورخہ ۱۰؍نومبر ۱۹۰۰ء میں موجود ہے (صفحہ ۱۱ کالم ۳)

تھے۔ اور اس نے پیشی کا وقت عصر سے عشاء تک رکھا ہوا تھا۔ ایک روز آپ کاغذات پیش کر رہے تھے۔ کہ یکایک سارے کاغذات بند کئے اور سلام کر کے جانے لگے۔ کپتان پولیس جو انگریز تھا یہ ماجرا دیکھکر حیران ہوا۔ کہ کام فوری طور پر بند کرنے کا کیا باعث ہے۔ پوچھا تو آپ نے کہا کہ رمضان شریف کے دن ہیں اب افطاری اور مغرب کی نماز کا وقت ہے اس نے کہا کہ پہلے کام تو ختم کر لیں۔ یہ دونوں کام بعد میں سرانجام دے لینا۔ آپ نے کہا کہ یہ کام بعد میں ہونے والا نہیں۔ میں یہ کام کر کے ابھی آتا ہوں۔ وقت میں بھی آپ تبدیلی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ فارغ ہو کر آئے اور بقیہ کام ختم کیا۔ اگلے روز کپتان نے پیشی کا وقت آپ کی سہولت کے مدنظر تبدیل کر دیا۔

مرحوم کا طریق دیگر تھانیداروں کی طرح جھوٹے مقدمات بنانے کا نہیں تھا۔ اور رشوت سے آپ سخت پرہیز کرتے تھے۔ آپ نے اپنے فرزند قاضی شادبخت صاحب کو بھی جبکہ وہ سب انسپکٹر پولیس متعین ہوئے نصیحت کی تھی۔ کہ بیشک ایسے عہدہ میں ناجائز حصول اموال اور عصمت شکنی کے کافی اور سہل مواقع حاصل ہوتے ہیں لیکن ان سے پوری طرح پرہیز چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یہ بہت بڑے گناہ ہیں۔

قاضی شادبخت صاحب و سیدہ خدیجہ خاتون صاحبہ

محترم قاضی شادبخت صاحب کی بیعت کا اوپر ذکر آ چکا ہے آپ کا سن ولادت ۱۳۰۷ھ ہے۔ پولیس کنسٹیبل سے بھرتی ہو کر آپ جون ۱۹۳۹ء میں سب انسپکٹر پولیس کے عہدہ سے فارغ ہوئے آپ یو۔ پی میں بلند شہر، رائے بریلی، ہردوئی، متھرا، اور مین پوری وغیرہ میں متعین رہے بعد پنشن اپنے وطن میں امور عامہ۔ تبلیغ۔ مال کے سیکرٹری کے طور پر خدمت سلسلہ کا موقع پایا۔ رائے بریلی کے علاقہ میں آپ دورہ میں اس امر کو مدنظر رکھتے کہ جس گاؤں میں مسجد غیر آباد پاتے وہاں اذان دیتے۔ مسلمان حیران ہو کر وہاں پہنچ جاتے۔ اور آپ کو پولیس افسر کی وردی میں ملبوس پا کر اور باہر سپاہی کو کھڑا پا کر حیران ہوتے۔ اور نماز ادا کرتے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس شکایت پہنچی۔ اور ایک مسلمان انسپکٹر تحقیقات پر مامور ہوا جس نے بتایا کہ ایس۔ پی نے پوچھا ہے کہ کیا قصہ ہے اور کیا قاضی صاحب ملّاں مولوی ہیں۔ یا داروغہ۔ اور نصیحتہً کہا کہ آپ یوں نہ کیا کریں۔ قاضی صاحب نے کہا کہ جہاں نماز کا وقت آتا ہے میں نماز ادا کرتا ہوں۔ آپ مسلمان ہیں اس بات کو سمجھ سکتے ہیں جیسا چاہیں آپ رپورٹ کریں۔

آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب منگوا رکھی تھیں اور الفضل اپنے نام جاری

تھا۔ ہر جگہ آپ تبلیغ کرتے۔ اور کلمۂ حق پہنچاتے تھے اور کبھی احمدیت کا اخفاء نہیں کرتے تھے
ریاست رام پور کے ایک منشی ہدایت اللہ صاحب جو ٹیوب ویل کے محکمہ میں کلرک تھے۔ آپ کی تبلیغ سے ۱۹۴۰ء کے قریب احمدی ہوئے اور پھر ان کے اہل و عیال بھی احمدی ہو گئے تھے۔

آپ کی اہلیہ محترمہ سیّدہ خدیجہ خاتون صاحبہ دختر سیّد اکرام حسین صاحب (ساکنہ علی پور کھیڑہ) قاضی صاحب کے نانا کے زیر اثر پورے شیعہ خیالات کی تھیں۔ اور محرم پر سختی سے رسم و رواج کی پابندی کرتی تھیں۔ اور احمدیت کی مخالفت کا ایسا رنگ رکھتی تھیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جس کمرہ میں تصویر تھی۔ اس کمرہ میں داخل ہونے سے ان کو نفرت تھی۔ ایک دفعہ انہوں نے ۱۹۳۳ء کے لگ بھگ خواب دیکھا کہ قاضی صاحب ترکی ٹوپی اور اچھا لباس پہنے ایک کرسی پر بیٹھے ہیں کسی نے دروازہ پر دستک دی اور ایک سنہری حروف سے نوشتہ خط دیا۔ سیّدہ صاحبہ نے کہا کہ بہت خوشنما ہے میں بھی دیکھوں کیا ہے۔ دیکھا تو اس پر مرقوم تھا۔

پہلا خلیفہ جبریل۔ دوسرا خلیفہ محمود

قاضی صاحب نے کہا کہ آپ بیعت کر لیں۔ کیونکہ جماعت احمدیہ کے اس وقت خلیفہ حضرت محمود (ایدہ اللہ الودود) ہیں۔ وہ اس سے متاثر ہوئیں۔ کیونکہ وہ حضور کے متعلق واقفیت نہیں رکھتی تھیں۔ اور بیعت کا خط لکھ دیا۔ اور پھر قاضی صاحب کے بتانے پر مشرکانہ رسوم ترک کر کے تائب ہوئیں۔ اور سمجھ لیا کہ یہ بات غلط ہے کہ ان رسوم کی عدم اتباع سے سال بھر میں خاندان میں موت واقع ہو جاتی ہے۔ انہوں نے مسجد ہالینڈ کی تعمیر کے لئے اپنا سارا زیور دے دیا۔ جو اس وقت ساٹھ ستّر روپے کا تھا۔ اور وصیّت کر دی اور بتاریخ ۱۶ ۳/۵۷ بعمر ۶۵ سال فوت ہوئیں[۱] سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ نے ان کا جنازہ غائب پڑھاتے ہوئے فرمایا:۔

"قاضی شاد بخت صاحب پرانے احمدی ہیں اور ایک مشہور خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اپنی قوم پر بھی ان کا بڑا اثر ہے۔ جب ملکانہ میں ارتداد ہوُا۔ اور ہندوؤں میں تبلیغ کی گئی۔ تو اپنی قوم کے اثر کی وجہ سے ملکانوں پر ان کا بڑا اثر پڑا تھا۔" (الفضل ۱۹ ۶/۵۷ ص۴)

آپ کی دو بیٹیاں دو درویشوں کے گھروں میں آباد ہیں آپ ۱۹۵۷ء سے ہجرت کر کے قادیان میں آباد ہیں۔ اللہ تعالےٰ قبول فرمائے۔ آمین ؛

---

[۱] مرحومہ کا نمبر وصیّت ۱۳۰۶۶ تھا۔ اور انکی یادگار کتبہ (۷۶/ع) بہشتی مقبرہ قادیان میں لگ چکا ہے۔

ملک بشارت احمد صاحب[1]

خاندان میں احمدیت حضرت شیخ برکت علی صاحب رضی اللہ عنہ (صحابی) قوم ککے زئی سکنہ موضع فیض اللہ چک (ضلع گورداسپور) ان سعید الفطرت اور پاک نفوس میں سے تھے جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ازالہ اوہام میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ

"میں ان مخلصوں کا نام لکھتا ہوں جنہوں نے حتی الوسع میرے دینی کاموں میں مدد دی۔ یا جن پر مدد کی امید ہے۔ یا جن کو اسباب میسر آنے پر طیار دیکھتا ہوں۔" (حصہ دوم طبع اول، صفحہ ۷۷۷ و ۸۲۰)

آپ کے فرزند محترم مولوی عبدالرحمٰن صاحب المعروف جٹ صحابی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۱۶ر نومبر ۱۹۴۷ء سے امیر جماعت اور ۶ر مارچ ۱۹۴۸ء سے ناظر اعلیٰ اور وکیل الاعلیٰ بھی ہیں۔ آپ ایک قدیم ترین صحابی حضرت حافظ حامد علی صاحب رضی اللہ عنہ کے ہمشیر زاد تھے۔ اور ان کی دختر محترمہ عائشہ بی بی صاحبہ (جو ۱۹۵۲ء میں وفات پاکر بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن ہوئیں) کے بطن سے اخویم ملک بشارت احمد صاحب رضی اللہ عنہ ۱۹۲۰ء کے قریب قادیان میں پیدا ہوئے۔ یہ اکلوتے فرزند تھے۔ دیگر بھائی بہن بچپن میں ہی فوت ہو جاتے رہے۔

تعلیم۔ شادی آپ نے قادیان کے پاک ماحول میں پرورش پائی۔ اور پروان چڑھے۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں دسویں تک تعلیم حاصل کر کے خالصہ کالج امرت سر میں بی۔ ایس۔ سی (ایگریکلچر) کا امتحان پاس کیا۔ طالب علمی میں بھی آپ کے اساتذہ آپ سے خوش رہے۔ کالج کے زمانہ میں طلباء نے ہڑتال کر دی۔ لیکن آپ نہ صرف خود اس سے محترز رہے بلکہ دیگر احمدی طلبہ کو بھی اس سے باز رکھا۔ یہ امر پرنسپل سردار جودھ سنگھ

---

[1] اخویم مرحوم کے سوانح کچھ تو آپ کے والد صاحب محترم کے بتائے ہوئے حالات مندرجہ الفضل بابت ۱۷/۳/۶۰ نیز بدر ۱۱/۲/۶۰ سے لئے گئے ہیں اور کچھ ذاتی طور پر بھی مجھے معلوم تھے۔ آپ کے والد محترم خاکسار کے مدرسہ احمدیہ قادیان میں پڑھانے والے اساتذہ میں سے تھے۔ آپ نے پہلی جماعت سے (۱۹۲۲ء سے) ہمیں تعلیم دینی شروع کی۔ کچھ عرصہ بورڈنگ کے سپرنٹنڈنٹ بھی رہے۔ بچپن میں بوجہ ہم قوم ہونے کے اور ان کا گھر مہمان خانہ میں گویا بالکل قریب ہونے کے وہاں آمد و رفت رہتی تھی۔ اور اخویم مرحوم سے بالکل ابتداء سے ہی واقفیت رہی۔ جو وقفہ کے بعد دوستی کا رنگ اختیار کر گئی۔ اور تقسیم ملک کے بعد بھی آپ سے خط و کتابت رہی۔

ملک بشارت احمد صاحب مرحوم

قاضی شاد بخت صاحب

اور سٹاف کے لئے خوشی کا باعث ہؤا۔ اور انہوں نے ان کی فیس معاف کر دی۔ اور احمدی طلباء کو بہت سی مراعات دیں۔ جب سردار صاحب تعلیم الاسلام کالج قادیان کی منظوری کے تعلق میں یونیورسٹی کی طرف سے ایک وفد میں معائنہ کے لئے آئے تو اپنے شاگرد کو فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں کام کرتے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

حضرت حافظ حامد علی صاحبؓ کی نواسی محترمہ نورجہاں بیگم صاحبہ دختر محترم بابو محمد شریف صاحبؓ مرحوم ٹی۔ ٹی ریلوے سے آپ کی شادی ہوئی۔ لیکن افسوس کہ ہر بچہ عہد طفولیت میں داغِ مفارقت دے جاتا رہا۔ بابو صاحب کی وفات کے بعد آپ نے موصوفہ کو ان کی والدہ صاحبہ کی دلجوئی کے لئے ان کے پاس ہی رکھا۔

خدمات سلسلہ

آپ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہؤا کہ نوجوانی سے ہی خدمات سلسلہ کی توفیق ملتی رہی۔ کچھ عرصہ آپ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں اعزازی طور پر ڈاک کا جواب دینے کا کام کرتے رہے۔[1] مجلس خدام الاحمدیہ کے قیام پر اس میں شامل ہو کر خدمت سلسلہ بطور زعیم مجلس محلہ بجا لاتے رہے۔ ایک دفعہ جلسہ سالانہ میں پہرہ کی ڈیوٹی پر تھے کہ بوجہ تھکاوٹ دفعتہً بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے جلسہ سالانہ کی تقریر میں اس کا ذکر کر کے ان کی خدمت کی بجا آوری کی تعریف فرمائی تھی۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی تحریک وقف پر آپ نے اپنی زندگی وقف کر دی۔ اور تقسیم ملک تک فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قادیان میں کام کرتے رہے۔ بعد تقسیم ملک سلسلہ کو مالی مشکلات درپیش تھیں اس لئے آپ کو بھی فارغ کر دیا گیا۔ اس لئے آپ نے سرکاری محکمہ زراعت میں ملازمت اختیار کر لی۔ جو دیانتداری اور محنت سے سرانجام دی۔ اور اس تعلق میں بمقام لیہ ضلع مظفر گڑھ بہاولپور۔ منٹگمری متعین رہے۔ بعد ازاں پاک پٹن میں آپ بعہدہ پلانٹ پروٹیکشن اسسٹنٹ (PLANT PROTECTION ASSISTANT) کام کر رہے تھے۔

مرض الموت اور وفات

وفات سے دو ماہ قبل آپ پر مرض یرقان کا شدید حملہ ہؤا منٹگمری ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ اور مرض کے مزید شدت اختیار کرنے پر آپ کو لاہور میو ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔[2]

---

[1] اس وقت خاکسار پرائیویٹ سیکرٹری تھا۔ اور محترم مرحوم میرے تعلق کی وجہ سے وہاں کام کرنے کے لئے آتے رہے۔ اور خاکسار کی رپورٹ میں اس کا ذکر ہے (رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ بابت ۳۹-۱۹۳۸ء ص ۳۲۱)

[2] حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی کی طرف سے الفضل میں دعائے صحت کے لئے اعلان ہؤا۔ کہ مکرم چوہدری محمد شریف صاحب امیر جماعت منٹگمری کی طرف سے بذریعہ تار مرحوم کی شدت مرض کی اطلاع ملی ہے

تقسیم ملک کے بعد محترم مولوی عبدالرحمٰن صاحب کو اپنے اقارب کی ملاقات کے لئے جو پاکستان میں تھے پاسپورٹ کی سہولیات حاصل نہ تھیں۔ چنانچہ آپ والدہ محترمہ ملک بشارت احمد صاحب کی وفات پر اور اپنے برادر اکبر کے داماد اخویم مولوی غلام حسین صاحبؓ ایاز مجاہد سنگاپور کی وفات پر بھی آپ نہیں جا سکے۔ ملک صاحب کی شدید علالت پر بھی درخواست دی گئی اور افسران کے گوش گذار حسبِ حالات و کوائف کئے گئے۔ ایک موقعہ پر یہ بھی بتایا گیا۔ کہ ملک صاحب بیہوشی کی حالت میں میو ہسپتال میں ہیں۔ ہوش کی حالت میں ان کی طبعاً شدید خواہش تھی۔ کہ والد صاحب سے ملاقات ہو جائے۔ لیکن اب اقارب نے کہا ہے کہ اگر انتظام ہو سکے تو سرحد پر ہم لے آئیں گے۔ اور اب ان کی اجل بالکل قریب ہے۔ ۶ر فروری کو خاکسار اور ایک اور دوست ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس سے ملے۔ اور فوری طور پر چنڈی گڑھ بذریعہ تار سفارش کے لئے کہا۔ لیکن نہ معلوم کیوں وہ اس کی فوری نوعیت نہ سمجھ سکے دونوں ضلع کے افسران کسی اور مقام کو جا رہے تھے۔ انہوں نے دو دن بعد واپسی سے قبل کارروائی کرنے سے معذوری کا اظہار کیا۔ چنانچہ اس روز راقم الحروف وہاں گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک دوست تار لے آئے۔ کہ ملک صاحب گذشتہ روز فوت ہو چکے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اس روز سفارش ہوئی۔ پھر ہم تین افراد چنڈی گڑھ گئے اور پاسپورٹ حاصل کیا۔ اس طرح وفات کے کئی روز بعد آپ ربوہ پہنچ کر ملک صاحب مرحوم کی قبر پر دعا کرنے کا موقعہ پا سکے۔

مکرم مولوی صاحب نے اس صدمہ کو نہایت صبر سے برداشت کیا۔ گو یہ صدمہ نہ صرف آپ کے لئے بلکہ جملہ درویشوں کے لئے بہت اندوہناک تھا۔ اور اس صدمہ کی شدت مولوی صاحب ہی سمجھ سکتے تھے۔ یا دیگر ہمارے جیسے درویشان جو باقاعدہ پاسپورٹ سے محروم ہیں۔ درویش مرحوم کے لئے اجتماعی اور انفرادی دعائیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اور تمام جماعت کی دعاؤں کو مرحوم کے حق میں ترقیٔ درجات کے رنگ میں قبول فرمائے۔ آمین۔

درویش اس اندوہناک خبر سے سکتہ کے عالم میں آ گئے۔ دیگر بہت سے مقامات و

بقیہ حاشیہ:۔ اور ان کی حالت تشویشناک ہے اور انکے حضرت شیخ حامد علی صاحبؓ کا نواسہ اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب کا بیٹا ہونے کا ذکر کیا گیا اور یہ بھی کہ مولوی صاحب پاسپورٹ نہ ملنے کے باعث اسے دیکھنے کے لئے نہیں آ سکے۔ دوسری بار حضرت ممدوح نے اعلان کرایا کہ بذریعہ تار امیر صاحب موصوف نے اطلاع دی ہے کہ ملک بشارت احمد صاحب کو لاہور لے جا رہے ہیں۔ (الفضل ۲۰/۹ ۴۸ء ص ۶)

بزرگوں کی طرف سے تعزیتی پیغامات بذریعہ خطوط اور بذریعہ تار موصول ہوئے۔[1]

نیک سیرت مرحوم اسلام و احمدیت اور خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے محبت رکھنے والے سنجیدہ طبع لیکن خوش مزاج نوجوان تھے۔ بعض غریب طالب علم جوان کے مردانہ میں قیام رکھتے تھے ان کا خیال رکھتے تھے۔ اور ان سے آپ کا ایسا مشفقانہ سلوک تھا کہ وہ مرحوم میں کسی قسم کا کبر و نخوت نہ پاتے تھے۔ آپ نے چھٹے حصّہ کی وصیّت کی ہوئی تھی۔ بوقت وفات معلوم ہوا کہ اس میں کوئی بقایا نہیں بلکہ حصّہ آمد بیباق ہے۔ آپ دفتر اوّل کے تحریک جدید کے مجاہدین میں سے تھے۔[2]

وفات و تدفین حضرت مرزا بشیر احمد صاحب دام عزّہ ۲/۹ کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"ابھی ابھی لاہور سے چوہدری اسد اللہ خانصاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور نے فون پر اطلاع دی ہے کہ ...... عزیز بشارت احمد میو ہسپتال لاہور میں فوت ہو گیا ہے۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ مرحوم بہت مخلص اور موصی تھا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدیم ترین صحابی حضرت شیخ حامد علی صاحبؓ مرحوم کا نواسہ تھا اور میری رضاعی بہن کا لڑکا تھا جنازہ آج شام کو ۴ بجے ربوہ پہنچ رہا ہے مرحوم کی عمر غالباً چالیس سال کے قریب تھی۔ مگر کوئی بچہ پیچھے نہیں چھوڑا۔ افسوس ہے کہ حکومت ہندوستان نے مولوی عبدالرحمٰن صاحب کو پاسپورٹ نہیں دیا۔ ورنہ وہ اپنے بچہ کو کم از کم بیماری میں ہی دیکھ لیتے۔" (الفضل ۲/۹)

مقبرہ بہشتی میں تدفین مؤقر الفضل رقمطراز ہے:۔

"مرحوم کے تایا مکرم محمد عبد اللہ اور دیگر اعزّہ مرحوم کا جنازہ اسی روز نماز عصر سے قبل ربوہ لائے۔ بعد نماز عصر مسجد مبارک کے احاطہ میں حضرت مرزا

---

[1] افراد اور جماعت ہائے احمدیہ اور میونسپل کمیٹی قادیان نے تعزیتی قرار دادیں بھجوائیں۔ خاندان حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اس صدمہ کی شدّت کو محسوس کر کے تار کے ذریعہ تعزیتی پیغامات بھجوائے۔ بدر مورخہ ۲/۹ ۱۸ میں حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ، حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ۔ حضرت سیّد ولی اللہ شاہ صاحب، محترم مرزا ناصر احمد صاحب، محترم مرزا مبارک احمد صاحب۔ محترم مرزا منیر احمد صاحب مع بیگم صاحبہ محترمہ اور محترم میاں عبدالرحیم احمد صاحب مع بیگم صاحبہ (محترمہ صاحبزادی امۃ الرشید بیگم صاحبہ) کی تاریں درج ہیں۔ (بدر ۲/۹ ۱۸ و ۳/۹ ۳) محترم مولوی صاحب نے تعزیت کنندگان کا شکریہ ادا کیا (بدر ۲/۹ ۲۵)

[2] آپ کا نام "پانچہزاری مجاہدین" میں ملک بشارت احمد صاحب زراعتی فارم" اور رقم ادا کردہ چار صد پندرہ روپے چار آنے مرقوم ہے۔ (صد ۳۸۶)

بشیر احمد صاحب مدظلّہ العالی نے علالتِ طبع کے باوجود نمازِ جنازہ پڑھائی جس میں اہلِ ربوہ بہت کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ بعد ازاں جنازہ مقبرہ بہشتی لے جایا گیا حضرت میاں صاحب مدظلہ العالی نے نہ صرف جنازہ کو کندھا دیا۔ بلکہ جنازے کے ہمراہ مقبرہ بہشتی تشریف لے گئے اور تدفین مکمل ہونے تک وہیں رہے۔ قبر تیار ہونے پر ..... دعا کرائی ..... ان کی بیوہ خاص طور پر دعاؤں کی محتاج ہیں۔ (بالآخر مرحوم کے والد صاحب و اقارب سے تعزیت کا اظہار کیا گیا ہے۔ مؤلف)" (۲/۹ ۹)

سیّدنا حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالےٰ کا مرحوم کے والد محترم کو بذریعہ تار یہ پیغام موصول ہوا:۔

"بشارت احمد کی افسوسناک وفات کا
بہت صدمہ ہوا۔ اللہ تعالےٰ اس کی روح
پر رحمت برسائے۔ آمین"

میاں محمد مراد صاحب

میاں محمد مراد صاحبؓ

محترم میاں محمد مراد صاحب پسر میاں کھیوا صاحب قوم ہجرا جٹ۔

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

دینی حالت قبل از قبولِ احمدیت پنڈی بھٹیاں میں ۱۹۰۸ء میں آریہ سماج اور عیسائیوں کے جلسوں میں ہم کئی مسلمان شامل ہوتے۔ اس طرح ان کے اسلام پر اعتراضات سے متاثر ہوئے اور ہم اسلام سے متنفر ہو گئے۔ اور ہم نے نماز ترک کر دی۔ علماء یہ کہہ کر ٹال دیتے۔ کہ تم ان جلسوں میں کیوں جاتے ہو۔ توبہ کرو۔ لیکن میری عمر چوبیس پچیس سال تھی۔ میرے ایک پڑوسی لالہ بشن داس کالڑہ نے جو آریہ اور رئیس تھا پنڈت بوڑا مل کی زبانی مجھے اور میرے دوست کو جو مدرس تھا یہ کہلوایا کہ اگر تم شدھ ہو جاؤ۔ تو تمہیں دو ہزار روپیہ کی دوکان لاہور یا امرتسر میں بنوا دوں گا۔ اگر بیوی نے تمہارا ساتھ نہ دیا تو کسی معزز گھرانے میں شادی بھی کرا دی جائے گی۔ اس وقت کے دو ہزار کی قیمت آج کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ ہم نے کہا کہ ہم سوچ کر بتائیں گے۔

احمدیت کا لٹریچر پڑھنے کی تحریک ایک مسلمان تحصیلدار سے ایک شادی کی تقریب میں جہاں وہ اور ہم مدعو تھے ہم نے آریوں اور عیسائیوں کے اعتراضات کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ عزیزو! میں احمدی تو نہیں۔ لیکن اگر تم پر آریوں اور عیسائیوں کا اثر ہو چکا ہے۔ تو حضرت مرزا صاحب کی کتابیں پڑھو۔ کیونکہ ان کے سوا کوئی فرقہ بھی ایسے اعتراضات کا جواب نہیں دے سکتا۔ چنانچہ حضورؑ کی کتب کے مطالعہ سے ہمارے شکوک رفع ہونے لگے۔ اسی اثناء میں حافظ آباد (ضلع گوجرانوالہ) میں خواجہ کمال الدین صاحب اور حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کی تقریریں ہوئیں جو ہم نے بغور سنیں۔

خواب دیکھنا اور بیعت کرنا ان تقریروں والی رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک دریا کے کنارے ایک کشتی ہے جس میں ایک کرسی پڑی ہے کشتی

ؔلہ آپ کے حالات جو قبل از احمدیت دینی حالت، احمدیت کا لٹریچر پڑھنے کی تحریک، بیعت اور تبلیغ اور اخویم شیخ عبدالقادر صاحب کے قبول اسلام اور خلافت ثانیہ کے قیام کے متعلق کشف پر مشتمل ہیں آپ نے حلفاً مؤکد بعذاب رقم فرماتے ہیں۔
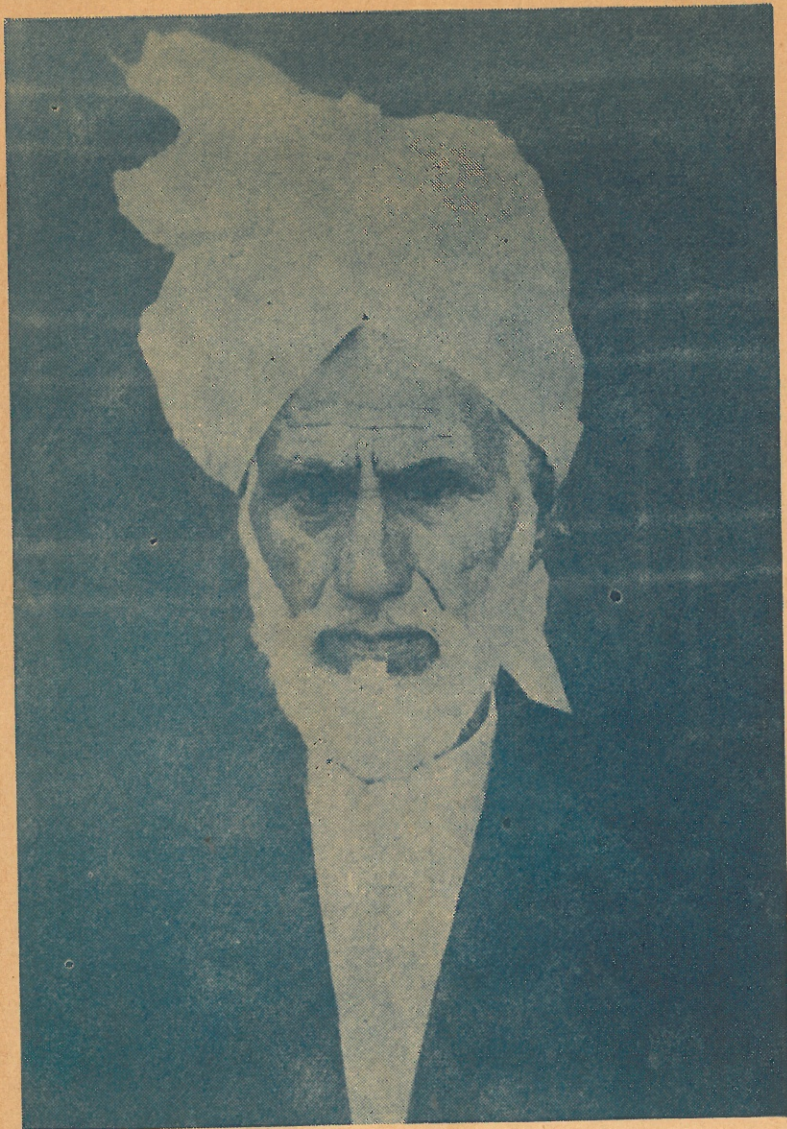
پر سبز مخمل کا غلاف چڑھا ہؤا ہے اور کرسی بھی اس سے مڑھی ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کشتی سے اُتر کر کنارے پر تشریف لائے ہیں۔ ایک غیر احمدی محبوب عالم نامی نے کہا۔ "کہ آپ تو محبوب خدا ہیں"۔ آپ نے فرمایا! ہاں۔ میں غلام احمد ہوں"۔ حضور کے ہاتھ میں چھڑی بھی ہے۔ محبوب عالم نے دونوں ہاتھوں سے حضور کا بایاں ہاتھ پکڑا ہؤا ہے۔ اور میں نے دونوں ہاتھوں سے حضور کا دایاں ہاتھ پکڑ کر چُوما۔ اور آنکھوں پر لگایا۔ بیدار ہؤا۔ یہ سحری کا وقت تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ اور خواب سُنائی۔ بے حد مسرت ہوئی۔ اور احمدیت کی صداقت پر مجھے کامل یقین ہو گیا۔ اسی وقت مسجد میں جا کر نوافل اور تسبیح و تحمید میں مشغول ہؤا۔ اور اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا۔ یہ مارچ ١٩١٠ء کی بات ہے۔ میں نے خواب والدین اور چھوٹے بھائی احمد الدین صاحب (ساکن کوٹ شاہ عالم ڈاکخانہ پنڈی بھٹیاں) کو سنائی اور احمدیت پر اپنے شرح صدر کا ذکر کیا۔ تو تینوں نے آمنّا وصدّقنا کہا۔ چنانچہ میں اور اخویم موصوف اور استاذی المکرم مولوی علی محمد صاحب ککرل اکٹھے پیدل قادیان پہنچے۔ موضع کاہلواں نزد قادیان کے بعض معمّر سکھوں نے ہمیں سُنایا۔ کہ حضرت مرزا صاحب ہر قوم کے امیر و غریب کو مفت دوائیاں دیتے تھے۔ اور حضور کا طریق تھا کہ کھیتوں میں جو لوگ آڑا ترچھا راستہ بنا لیتے ہیں فصل کٹی ہوتے پر بھی حضرت مرزا صاحب اس راستے سے نہیں گذرتے تھے۔ ہم نے قادیان پہنچ کر حضرت خلیفۂ اوّل رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ فالحمد للہ۔

کشف بابت خلافت ثانیہ

آپ بیان کرتے ہیں کہ:۔

"حضرت خلیفۂ اوّل رضؓ کی وفات سے آٹھ روز پہلے میں پنڈی بھٹیاں سے بارہ میل کے فاصلہ پر موضع کوٹ شاہ عالم میں اپنے بھائی میاں احمد دین صاحب کی تیمارداری کے لئے گیا ہؤا تھا۔ میں نے ۶ مارچ ١٩١۴ء کو سحری کے وقت بیداری میں کشف میں دیکھا کہ حضرت خلیفۂ اوّل رضؓ کی وفات ہو گئی ہے اور ان کی جگہ حضرت محمود ایدہ اللہ الودود خلیفۂ ثانی مقرر ہوئے ہیں۔ میں صبح پنڈی بھٹیاں واپس آ رہا تھا کہ محبوب عالم مذکور سے جو غیر احمدی ہیں راستہ میں ...... ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ آپ کو پتہ ہے؟ میں نے کہا۔ ہاں۔ اس نے پوچھا کس بات کا؟ میں نے کہا یہ کہ حضرت خلیفہ اوّل رضؓ کی وفات ہو گئی ہے اور حضرت محمود ایدہ اللہ خلیفہ ثانی مقرر ہوئے ہیں۔ کہنے لگے۔ ہاں یہی خبر ہے لیکن آپ کو کس نے بتایا؟ میں نے کشف سُنایا۔

سو آپ کو خلافت ثانیہ سے وابستہ ہونے کی توفیق عطا ہوئی۔ اور بطور عہدیدار

آپ خدماتِ سلسلہ بجا لاتے رہے۔ اور جماعت کے عہدیدار رہے اور مشاورت میں بھی شرکت کے مواقع ملے اور تحریک جدید کے دفتر اول کے مجاہدین میں آپ شامل تھے۔ آپ کو آنریری انسپکٹر بیت المال برائے پنڈی بھٹیاں بھی خدمت کرنے کا موقع ملا۔ (سالانہ رپورٹ صدر انجمن بابت ۳۶-۱۹۳۵ء صفحہ ۲۱۸) [۱]

فدائیت کا ایمان افروز نمونہ

اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل آپ پر ہوا۔ کہ جس چشمۂ آبِ حیات سے آپ نے ایک نئی زندگی پائی۔ آپ کا قلب صافی اس پر راضی نہ ہوتا تھا۔ کہ اقارب و احباب وطن اس سے محروم رہیں۔ اس راہ میں آپ نے انواع و اقسام کی تکالیف برداشت کیں۔ آپ کے صاحبزادہ اخویم بشیر احمد صاحب جن کو بطور درویش قادیان میں قیام کرنے کی سعادت حاصل ہے بیان کرتے ہیں کہ پنڈی بھٹیاں میں شدید مخالفت کے باعث ہمارا پانی بھی بند کر دیا جاتا حتیٰ کہ کنوئیں سے بھی پانی نہ لینے دیتے۔ کئی بار مجھے اور میرے بھائی شریف احمد صاحب کو مدرسہ کے راستہ میں لوگ زدو کوب کرتے اور ہمیں مجبور کرتے کہ حضرت مسیح موعودؑ کو گالیاں دیں۔ اور اتنا تعصب تھا کہ ہم دونوں کو دوسری اور تیسری میں دو دو سال بلا وجہ فیل کرتے رہے۔ اول تو ہمیں مجبور کرتے کہ ہم سالانہ امتحان ہی دیں۔ جب مکرم شیخ عبدالقادر صاحب کو والد صاحب نے مسلمان کر لیا۔ تو ان کی والدہ بددعائیں دیتیں کہ بچے مر جائیں۔ ایک روز والد صاحب نے کہا کہ تین بچے پہلے میرے ہیں ایک تمہارا لیکر چار ہوئے۔ دو مجھے خدا تعالیٰ اور دے گا اس طرح کل چھ ہو جائیں گے چنانچہ اس کے بعد میں اور میرے بھائی شریف احمد صاحب توأم پیدا ہو کر یہ بات پوری ہو گئی۔ اور اس کے بعد کوئی نرینہ اولاد نہیں ہوئی۔

آپ کا تبلیغ میں انہماک اور تحمل مخالفت کا قصۂ پاک

اخویم عبدالعظیم صاحب درویش بیان کرتے ہیں کہ حضرت میاں محمد مراد صاحب کا اوڑھنا بچھونا تبلیغ تھا۔ ذاتی نقصانات جھیلتے لیکن قطعاً پرواہ نہ کرتے۔ کاروبار تباہ ہو گیا۔ مکرم شیخ عبدالقادر

[۱] آپ کو مشاورت میں بھی نمائندگی کا موقعہ ملتا رہا۔ چنانچہ آپ ۱۹۲۵ء، ۱۹۳۸ء اور ۱۹۴۴ء میں شریک ہوئے ۱۹۳۸ء میں آپ اپنے بیٹے ماسٹر غلام محمد صاحب عبد کے پاس محلہ ناصر آباد قادیان میں مقیم تھے اور اس محلہ کے نمائندہ کے طور پر شامل ہوئے تھے۔ (فہرست ہائے متعلقہ مشاورت علی الترتیب نمبر ۹۵، ۱۶۵ و ۱۲۴)

"پانچ ہزاری مجاہدین" میں آپ کا اسم گرامی "مولوی محمد مراد صاحب بزاز" کے طور پر مرقوم ہے۔ اور آپ نے قریباً ایک صد انتیس روپے چندہ دیا۔ (صفحہ ۲۷۸)

آپ مختلف اوقات میں خیاطی اور بزازی کا کام کرتے رہے ہیں۔

صاحب (سابق سوداگرمل) کے مسلمان کرنے کے باعث ہندو برافروختہ ہوئے۔ اور بالآخر میاں صاحب کو بیرانوالہ سے بھاگ کر پنڈی بھٹیاں جانا پڑا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ حسین بی بی صاحبہ دختر یار محمد صاحب سکنہ پنڈی بھٹیاں کھاتے پیتے گھرانے کی تھیں۔ وہاں موصوفہ کے حصہ کا مکان بھی تھا موصوفہ کی طرف سے مدد حاصل ہوتی رہتی تھی۔ (وہ احمدی ہو کر ۱۹۴۷ء میں قادیان میں فوت ہوئیں) میاں صاحب کا طرزِ تبلیغ بہت پرتاثیر اور جاذب تھا۔ میں تیرہ چودہ سال کا نوجوان تھا۔ مخالفین کے اعتراضات لے کر آیا۔ آپ نے مجھے الفضل پڑھنے کو دیا۔ اور جب بھی آتا۔ الفضل پڑھنے یا سنانے کو کہتے اور میری تعریف کرتے۔ کہ تمہارا علم میرے بچوں سے زیادہ ہے۔ اس طرح مجھ پر اثر ہونے لگا۔ پھر آپ نے مجھے حضرت حافظ روشن علی صاحب کی تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۲۷ء اور پھر تحفۃ الملوک کتاب دی۔ جن کے مطالعہ سے مسائل حل ہو گئے۔ اور ۱۹۲۸ء کے اوائل میں میں نے بیعت کر لی۔ میں اپنے خاندان میں سب سے پہلا احمدی تھا۔ مجھے والد صاحب نے عاق کر دیا۔ میں قادیان آیا۔ اور ایک سال بعد دو اڑھائی صد روپیہ کما کر واپس گیا۔ تو بھی والد صاحب کے غصہ میں کسی قسم کی کمی نہ تھی۔ فوراً انہوں نے میرے کپڑے اتروا کر ایک معمولی لنگوٹی بندھوائی روپیہ اور سامان چھین لیا۔ اور نہایت بے رحمی سے زدوکوب کر کے بری طرح زخمی اور لہولہان کر کے کمرہ میں مقفل کر کے چلے گئے۔ میں وہاں سے کسی طرح نکل کر بھاگا۔ ان کی شدت مخالفت کے باعث ہر ایک احمدی بھی جس کے پاس گیا سخت خائف ہوا اور منت کہا۔ کہ وہ مجھے پناہ نہیں دے سکتا۔ والد صاحب کے ایک مخالف دور کے رشتہ دار کے ہاں پناہ لی۔ اور اگلے روز وہاں سے چلا گیا اور بالآخر سیدوالہ میں میں نے دکان کھول لی۔ کچھ عرصہ بعد وہاں شدید طور پر بیمار ہوا۔ جماعت نے بہت خدمت کی۔ بالآخر ڈاکٹر کی مشورہ پر مجھے وطن بھجوایا گیا۔ میں کئی روز سے بیہوش تھا۔ والد آئے تو اس حالت میں بھی انہوں نے میری چارپائی گھر سے نکلوا دی۔

آپ مزید بیان کرتے ہیں۔ کہ پانچ سال بعد حضرت میاں صاحب کی تبلیغ سے میرے بھائی حافظ محمد عبداللہ صاحب (والد ماجد اخویم مولوی دوست محمد صاحب شاہد مؤلف تاریخ احمدیت" ربوہ) اور پھر میرے بھائی میاں اللہ بخش صاحب (ظہور احمد صاحب ناصر ڈرائنگ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ کے والد محترم) احمدی ہو گئے۔ اس سے والد صاحب کے طیش میں کوئی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے میاں محمد مراد صاحب کو تین دفعہ زدوکوب کیا۔ ایک دفعہ میاں صاحب نے ان سے کہا کہ آپ نے مجھے تین دفعہ پیٹا۔ اور آپ کے تین بیٹے جو عقلمند تھے احمدی ہو گئے آپ تین دفعہ اور مار پیٹ کر لیں۔ تا بقیہ تین بھی احمدیت قبول کر لیں۔

اخویم عبدالعظیم صاحب مزید بیان کرتے ہیں کہ میاں محمد مراد صاحب کے ذریعہ بہت سے

لوگوں نے احمدیت قبول کی۔ مثلاً آپ کے بھائی میاں احمد دین صاحب کے علاوہ آپ کے بھائی میاں فضل دین صاحب اور میاں مولا بخش صاحب نیز شیخ غلام قادر صاحب درزی مرحوم سکنہ پنڈی بھٹیاں بھی۔ کچھ عرصہ جناب ملک صاحب خانصاحب نون اس ضلع میں ڈپٹی کمشنر رہے۔ آپ جب بھی پنڈی بھٹیاں آتے تو میاں صاحب اور مجھے اور دیگر احمدیوں کو اپنے ساتھ کھانا کھلاتے۔ اور لوگوں کو کہتے کہ تم لوگ تو چوہدری وغیرہ ہو۔ میرے بھائی یہ ہیں۔ اور میاں صاحب کے حالات سنکر ان کو مشورہ دیا کہ گو میں نمبردار سے (جس کا نام سادہ قوم چوہڑا تھا اور اس کا آگے ذکر آتا ہے) روپیہ دلا سکتا ہوں لیکن میرے بعد یہ جانگلی لوگ دوسرے ڈپٹی کمشنروں کے ذریعہ آپ کو زیادہ نقصان پہنچائیں گے۔ ۱۹۳۱ء میں وہاں میرے خرچ پر پہلا جلسہ ہوا۔ اگلے سال مخالفین پہلے تو جلسہ گاہ میں گدھے وغیرہ لے آئے۔ پھر سامان اٹھا کر لے گئے۔ محترم میاں محمد مراد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی تشریف لائے۔ تین چار روز سورۃ الکوثر پر تقریر فرمائی جس کا بہت اچھا اثر ہوا۔ اور کئی غیر احمدی حضرت مولانا صاحب کے پاؤں دباتے رہے۔ اور دوبارہ تشریف لانے کی خواہش کی۔[1]

ایک دفعہ مکرم مولوی ظہور حسین صاحب بخارائی اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؓ حلالپوری پروفیسر نے تقاریر کیں۔ ایک دفعہ مولوی عبدالغفور صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ تقریر کر رہے تھے کہ مسلمانوں نے اینٹ پتھر برسا کر اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دیا۔ اور کرسیاں اور فرش فروش مالِ غنیمت سمجھتے ہوئے اٹھا لے گئے۔ احرار کی شورش کے زمانہ میں میاں مراد صاحب کی مخالفت میں شدت اختیار کر لی گئی۔

اخویم عبدالعظیم صاحب یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ والد صاحب اور بعض غیر احمدیوں نے ہمیں مباہلہ کی دعوت دی۔ میں نے قادیان آکر سیدنا حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر کے عرض کیا۔ حضور نے اجازت عنایت فرمائی۔ اور فرمایا کہ باپ بیٹا کا تعلق درمیان میں ہے۔ اس لئے آپ یہ شرط رکھ لیں کہ اگر احمدیوں کو نقصان نہ پہنچا۔ تب بھی غیر احمدی ہی غیر صادق ثابت ہونگے۔ کیونکہ مباہلہ کی دعوت ان کی طرف سے ہے۔ اسے قبول نہ کیا گیا تو اسے فرار اور عدم صداقتِ احمدیت پر محمول کیا جائے۔ چنانچہ یہ شرط بھی رکھی گئی

[1] حضرت مولانا راجیکی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ غیر احمدیوں نے مقامی احمدیوں کی کم علمی کی تعلی کرتے ہوئے مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی سے مباحثہ کرانا چاہا۔ حضرت خلیفہ اولؓ کے ارشاد پر وہاں پہنچا تو حضور کے حکم کے مطابق عربی میں مناظرہ کرنے کی دعوت دی۔ مولوی مذکور سے میرے مباحثات ہو چکے تھے۔ اس نے عدیم الفرصتی کا عذر کر کے آنے سے معذرت کر دی۔ اس کی معذرت اور میرا عربی خط غیر احمدی احباب پر نیک اثر ڈالنے کا موجب ہوئے (حیاتِ قدسی حصہ سوم صفحہ ۲۹)

میاں محمد مراد صاحب اور ان کے دونوں بھائی اور ہم تینوں بھائی احمدیوں کی طرف سے اور غیر احمدیوں کی طرف سے والد صاحب اور پانچ دیگر افراد تھے۔ اور مباہلہ ہوا۔ ایک سال میں یہ نتیجہ نکلا کہ والدہ وفات پا گئیں جو والد صاحب کے لئے سہارا تھیں۔ اس طرح وہ بکلی دوسروں کے محتاج ہو گئے۔ غلام حیدر نے داماد کے ساتھ جھگڑے کی وجہ سے نکاح چھڑوانے کے لئے اپنی لڑکی کو عیسائی بنایا۔ جس کے نتیجہ میں وہ باوجود امیر ہونے کے نہایت ذلیل ہو کر روپوش ہو گیا اور بعد میں عدم پتہ ہونے کی حالت میں ہی مر کھپ گیا۔ ایک اور غیر احمدی مباہل کی ہمشیرہ جس سے اسے شدید محبت تھی چھت سے گری۔ اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور عمر بھر کے لئے لنگڑی ہو گئی۔ اور اس وقت تک وہ احمدیت کا جیتا جاگتا زندہ نشان ہے اسی طرح بقیہ تین کو بھی نقصان پہنچا جو اب یاد نہیں رہا۔ ایک دفعہ والد صاحب قادیان آئے اور کہا کہ میں آپ کے حضرت صاحب سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ دریافت کرنے پر بتایا کہ میں کہنا چاہتا ہوں۔ کہ کام کے تینوں لڑکے جو سمجھدار تھے آپ نے لے لئے۔ دوسرے تینوں میرے پاس رہے۔ میرے ساتھ تبادلہ کر لیں۔ میں نے کہا کہ وہ کھوٹا مال نہیں لیتے۔ اس پر رونے لگے۔ اور واپس چلے گئے۔ میں نے باوجود ان کے مظالم کے ان کی بہت خدمت کی جس سے وہ بہت خوش تھے۔ افسوس کہ وہ اسی احمدیت کی مخالفت پر ایک دو سال قبل فوت ہوئے۔

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رقم فرماتے ہیں:۔

"پنڈی بھٹیاں کے احمدی میاں محمد مراد صاحب درزی ...... نہایت ہی مخلص اور جوشیلے احمدی اور تبلیغ کے دیوانے اور شیدائی ہیں اور جن کی تبلیغ اور عمدہ نمونے سے عزیزم شیخ عبدالقادر صاحب مبلغ سلسلہ اور ان کے خسر ہندوؤں سے اسلام اور احمدیت میں داخل ہوئے تھے۔" (حیاتِ قدسی حصہ سوم صفحہ ۲۹)[2] آپ کو علاقہ ملکانہ میں بھی تبلیغی کام کرنے کی توفیق ملی۔ (رسالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ بابت ۳۷-۱۹۳۶ء صفحہ ۷)

مخالفت کی کہانی آپ کی زبانی

احمدیت کے باعث محترم میاں محمد مراد صاحب کی دردناک داستان آپ کی زبان سے سنیئے:۔

سنت الٰہی کے مطابق نبی کے ماننے والوں کو تکالیف پہنچائی جاتی ہیں لیکن باوجود اختلاف کے ہندو شرفا مجھے نہایت امین خیال کرتے اور میرے مداح ہیں اور بنظر احترام دیکھتے ہیں اور مسلمان بھی میری ایمانداری اور دینداری کی وجہ سے میری

[2] اس میں یہ سہو ہوا ہے شیخ صاحب کے خسر صاحب ۱۹۰۹ء میں مکرم میاں محمد مراد صاحب سے ایک سال پہلے احمدی ہو چکے تھے۔ جیسا کہ شیخ عبدالقادر صاحب کے حالات میں مرقوم ہے۔

عزت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے شیخ اللہ بخش صاحب وغیرہ نے مخالفین کی بات نہیں مانی۔ اور کہا کہ ہم میاں صاحب کو دکان سے کیوں اٹھائیں۔ ایسا شریف النسان ہمیں اور نہیں ملتا۔
مجھے احمدیت کی تبلیغ کرنے کی وجہ سے سر بازار پانچ بار بری طرح مارا پیٹا گیا۔ موضع سکھیکی اور گوجی گوندل میں مجھے گندی گالیاں دی گئیں۔ اور پیٹا گیا۔ اور گلا گھونٹا گیا۔ موضع عطارانوالہ میں مجھے اس قدر پیٹا گیا۔ کہ پورا ایک ماہ شفاخانہ میں داخل ہو کر علاج کراتا رہا۔

ایک نمبردار نے مجھے اپنے گاؤں متصل پنڈی بھٹیاں میں دکان کھولنے کی تحریک کی۔ وہاں بھی اللہ تعالےٰ نے تبلیغ کا موقع دیا۔ اور خدا کے فضل و کرم سے دو ہندو مسلمان ہو گئے ان میں سے ایک قابل ذکر سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مبلغ شیخ عبدالقادر صاحب مولوی فاضل ہیں۔

تیسرا ایک اور نوجوان تعلیم یافتہ ہندو اسلام لانے کے بالکل قریب ہو گیا تھا۔ اس نے کہہ دیا تھا کہ میں اپنی بیوی کو بھی تبلیغ کر رہا ہوں۔ اگر وہ ایک ماہ تک مسلمان ہو گئی تو بہتر ورنہ میں اکیلا مسلمان ہونے کا اعلان کر دوں گا۔ چونکہ وہ بھی علی الاعلان تبلیغ اسلام کرنے لگ گیا تھا۔ اس لئے تمام ہندو مل کر نمبردار کے پاس گئے اور کہا کہ ہمارے دو آدمی "مراد" نے پہلے مسلمان کر لئے ہیں۔ اب تیسرا بھی تیار ہے۔ اس لئے ہم گاؤں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ ورنہ اسے تبلیغ کرنے سے روکو[1] اس پر نمبردار نے مجھے تنبیہ کی۔ کہ تم ان کو تبلیغ نہ کیا کرو۔ تمہاری خاطر میں اپنا گاؤں ویران نہیں کر سکتا۔ لیکن میں نے اس کی تنبیہ کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور حسب دستور تبلیغ کرتا رہا۔ تین چار دن کے بعد دوبارہ ہندوؤں کا وفد نمبردار کے پاس گیا اور دوبارہ نمبردار نے مجھے بلا کر سخت گندی گالیاں دیں اور کہا گاؤں سے نکل جاؤ۔ میں چلا تو جاتا۔ لیکن اس خیال سے کہ تیسرا ہندو بھی مسلمان ہو جانے سے رہ گیا۔

نمبردار پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کا مرید تھا۔ میں نے ایک خط پیر صاحب کے نام لکھا۔ اور نہایت عاجزانہ اپیل کی۔ کہ اگر میں اس گاؤں سے چلا گیا تو یہ تیسرا ہندو مسلمان ہونے سے رہ جائے گا۔ آپ نمبردار کو سمجھائیں۔ مگر پیر صاحب نے میری درخواست کا یہ جواب دیا کہ "اس سؤر بے ایمان مرزائی کو فوراً گاؤں سے نکال دو" جس کا ہندوؤں

---

[1] وہاں صرف دو تین گھر ہندوؤں کے تھے وہ خود کوئی موثر کارروائی نہیں کر سکتے تھے اس لئے انہوں نے اَن پڑھ۔ اجڈ نمبردار کو اپنا آلہ کار بنانے کی ٹھانی (بیان عبدالعظیم صاحب)

پر جادو چل گیا ہے اس کا میرے مریدوں پر بھی اثر ہو جائے گا)[2] پھر کیا تھا نمبردار نے میرے ساتھ وہ شرارت کرنی چاہی جو دل کو پاش پاش کر دینے والی تھی۔ لیکن محض اللہ تعالےٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ میں اس نمبردار کی شرارت سے محفوظ رہا۔ البتہ ۲۲۵ روپیہ جو نمبردار کے ذمہ میرا تھا وہ اب تک نہیں ملا۔

اس وقت گاؤں میں میری ایک گیارہ سالہ لڑکی میرے پاس تھی۔ گاؤں کے اشرار نے مل کر منصوبہ کیا کہ میری لڑکی چھین کر لے جائیں۔ چنانچہ دن کے گیارہ بجے کے قریب بہت سے لوگ میرے گھر میں گھس آئے۔ اور کہا تم نے ہمارا ایک لڑکا قادیان بھیج دیا ہے اس کے عوض ہم تمہاری لڑکی چھین لے جاتے ہیں۔ اس وقت میری جو حالت تھی۔ وہ خدا ہی جانتا ہے آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ دل میں دعا شروع کی۔ اور روح سجدہ میں گر گئی۔ قریباً نصف گھنٹہ تک وہ لوگ میرے مکان میں گھسے رہے۔ اللہ تعالےٰ نے میری دعا سن کر ان دشمنوں کے دل میں یہ ڈالا۔ کہ رات کو ڈاکہ ڈالنا چاہیئے۔ لڑکی میرے ساتھ لپٹی ہوئی تھی۔ اور چیخ رہی تھی۔ اس اسی خیال سے شریر چلے گئے ان کے جانے کے بعد میں نے دو آدمیوں سے کہا کہ دو میل پر میرا پیغام لے جاؤ۔ گو وہ میرے ہمدرد تھے لیکن گاؤں والوں سے مرعوب تھے۔

نمبردار نے سخت تنبیہ کر دی تھی کہ جو اس کا پیغام باہر لے جائے گا۔ اس کو بُری طرح سزا دی جائے گی۔ میں نے پچیس روپیہ تک دینے کے لئے کہا۔ کہ خدا کے لئے دو میل پر میرا پیغام میرے ایک دوست کو دے آؤ۔ لیکن وہ لوگ کچھ ایسے خوفزدہ تھے کہ پھر بھی تیار نہ ہوئے اس کے بعد مجھے اور زیادہ خطرہ پیدا ہو گیا اور میں نے سمجھا کہ یہ سخت خطرناک سازش ہے۔ آخر میں نے ایک اور گھر میں جا کر ایک عورت سے کہا کہ میری لڑکی کو دو گھنٹہ تک چھپا رکھو اس عورت کو رحم آ گیا۔ اس نے لڑکی کو ایک کوٹھڑی میں بند کر کے قفل لگا دیا۔ اور میں عورتوں کے سیاہ کپڑے پہن کر وہاں سے اللہ تعالےٰ کے نام پر نکلا اور منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ وہاں سے ایک رئیس آ گیا جو گھوڑی پر بٹھا کر ہمیں اپنے ساتھ لے گیا۔[3] اس طرح سے نکلنے کی وجہ سے میرا پندرہ سو جو ان لوگوں کے ذمہ قرض تھا ضائع ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

---

[2] یہ مخطوط وحدانی کے الفاظ عبدالعظیم صاحب کی زبانی زائد کئے ہیں۔

[3] مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ امیر جماعت قادیان کے برادر اکبر مکرم بابو محمد عبداللہ صاحب کے پاس بنگلہ سدوانہ میں پہنچے جنہوں نے گھوڑی کے انتظام کے علاوہ گڈے پر سامان بھی منگوا لیا چند دن وہاں قیام کر کے پنڈی بھٹیاں چلے گئے (بیان شیخ عبدالقادر صاحب)

پنڈی بھٹیاں میں دو بار میرا پانی بند کیا گیا۔ مارچ ۱۹۳۳ء میں منڈی میں جلسہ کیا گیا۔ تو لوگ فرش کے کپڑے لالٹین وغیرہ چھین کر لے گئے اور گندی گالیاں دیں۔ یہاں تک کہ گھر میں پہنچنے تک پتھر مارتے اور گندی گالیاں دیتے رہے۔ اور کئی بار میرے قتل کے منصوبے کئے گئے۔ ایک شخص نے کئی بار علی الاعلان مجھے قتل کرنے کی دھمکیاں دیں۔ اب ان کے تین بڑے لڑکے احمدی ہو چکے ہیں۔ اور بڑے مخلص مبلغ ہیں۔ میرے ذریعے قریباً ۱۵۰ نئے بیج مختلف مقامات پر لگائے گئے جو بار یاب ہوئے۔

تیرے منہ کی ہی قسم اے میرے پیارے احمدؐ

تیری خاطر سے یہ سب بار اٹھایا ہم نے [1]

اللہ تعالیٰ ماسٹر غلام محمد صاحب خیدمنشی فاضل، دوست محمد صاحب، نور محمد صاحب شریف احمد صاحب اور بشیر احمد صاحب آپ کی اولاد کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر کرے۔ آمین۔

---

[1] الفضل بابت ۳/۵ ۱۹- کچھ حصہ خاکسار مؤلف نے خلاصہ کر دیا ہے۔ اور ایک جگہ سیاق سباق کے مطابق ایک دو لفظ زائد کئے گئے ہیں۔

شیخ عبدالقادر صاحبؓ

ولادت۔ خاندانی حالات اور ابتدائی تعلیمی کوائف

لالہ سوداگر مل (حال اخویم محترم شیخ عبدالقادر صاحب) ۱۵ اگست ۱۹۰۹ء کو بمقام گورنہ پٹھاناں متصل مڈھ رانجھہ تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا لالہ وزیر چند صاحب ولد لالہ حکم چند صاحب قوم چھابڑے کھتری کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ نے پرائمری تک تعلیم اپنے گاؤں میں ہی حاصل کی۔ لیکن اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے آپ کو موضع لالیاں ضلع جھنگ کے مڈل سکول میں داخل کیا گیا۔ جہاں سے ۱۹۲۴ء میں آپ ورنیکلر مڈل کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد چونکہ آپ کے ننھیال اور دیگر رشتہ داروں نے گورنہ پٹھاناں میں تجارتی کاروبار نہ ہونے کی وجہ سے مستقل طور پر موضع بیرانوالہ تھانہ پنڈی بھٹیاں تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس لئے ان کی خواہش کی بناء پر آپ کی والدہ ماجدہ اور بھائیوں نے بھی اس علاقہ کے ایک گاؤں ذخیرہ بیرانوالہ میں رہائش اختیار کر لی۔

والد صاحب گورنہ پٹھاناں میں ہی وفات پا چکے تھے۔ چار بھائی تھے۔ تین بڑے اور ایک چھوٹا۔ بہن کوئی نہیں تھی۔ بڑے علی الترتیب کیسر مل۔ دیوی دیال اور حویلی رام۔ اور چھوٹے بہادر چند نام تھے۔ تمام تجارتی کاروبار کرتے تھے۔ اور گو اتنے مالدار نہ تھے۔ لیکن چونکہ بیرانوالہ میں آپ کے ماموں صاحبان لالہ جوالا داس اور لالہ گوپال داس ساہوکارہ کا کام کرتے تھے اور خاصے مالدار تھے۔ اس لئے بوقت ضرورت ان سے بھی روپیہ لے کر استعمال کیا کرتے تھے۔

مڈل پاس کرنے کے بعد گھر کے تمام افراد کے موضع ذخیرہ بیرانوالہ میں آجانے پر آپ بھی اسی گاؤں میں آچکے تھے اب مزید تعلیم کے لئے لائلپور کے کسی ہائی سکول میں داخلہ لینے کا خیال تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ آپ جب اس گاؤں میں پہنچے تو وہاں ایک نہایت ہی مخلص احمدی دوست مکرم و محترم میاں محمد مراد صاحب سے آپ کی ملاقات ہوئی میاں صاحب موصوف موضع پنڈی بھٹیاں کے رہنے والے تھے۔ کیونکہ کچھ عرصہ قبل اپنے تجارتی کاروبار کے سلسلہ میں ذخیرہ بیرانوالہ تشریف لا چکے تھے۔ اور چونکہ اسی گاؤں

---

[1] سوانح خاکسار کی درخواست پر آپ نے عنایت فرمائے ہیں۔ اور خاکسار نے اس میں مطبوعہ لٹریچر سے اضافہ کر کے شامل کتاب کئے ہیں۔

میں پڑھے لکھے صرف وہی تھے۔ اس لئے شیخ صاحب کی نشست و برخاست اکثر ان کے ساتھ رہتی۔ ان کے ہاں سلسلہ احمدیہ کے اخبارات بھی آیا کرتے تھے جنہیں شیخ صاحب وقت گذارنے کے لئے اکثر پڑھا کرتے تھے۔ میاں صاحب میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہر وقت تبلیغ میں مصروف رہتے تھے۔ شیخ صاحب کو چونکہ ہندو مت سے بے حد دلچسپی تھی اور آپ کسی قیمت پر بھی اسلام کی طرف توجہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے ان کی باتوں کو سُن کر یہی سمجھتے تھے کہ ہمارے مذہب سے بہر حال یہ گھٹیا قسم کا مذہب ہے۔ اور اس کی وجہ اس علاقہ کے مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالات تھے۔ اس علاقہ کے مسلمانوں میں جہالت اور غربت حد درجہ کی تھی۔ چوری اور ڈاکہ پر فخر کرتے تھے۔ اور ہندوؤں کے مقابلہ میں اکثر مسلمانوں میں احساس کمتری بھی پایا جاتا تھا۔ وہ تو ہندوؤں کے ہاتھ کی چیز کھا لیتے تھے لیکن چھوت چھات کی وجہ سے ہندو ان کے ہاتھ کی چیز نہیں کھاتے تھے۔ منڈیوں میں عموماً وہ مزدور، جیل خانے ان سے معمور اور بھیک منگے زیادہ تر مسلمان تھے۔ جہالت کی وجہ سے ذرا ذرا سی بات پر آپس میں لڑ مرتے تھے۔ ان وجوہات کی بناء پر آپ کو خوب یاد ہے کہ آپ کہا کرتے تھے کہ اگر ساری دنیا مسلمان ہو جائے تب بھی میں ہر گز اسلام قبول نہیں کروں گا۔

قادیان جیسمیدیدہ حال سُننا

۱۹۲۴ء کے جلسہ سالانہ میں مکرم و محترم میاں محمد مراد صاحب اپنے احاطہ کے ایک مصلی اللہ جوایا نام کو قادیان دارالامان اپنے ساتھ لے گئے۔ جب وہ جلسہ دیکھ کر واپس آیا تو گاؤں کے لوگوں نے اس سے دریافت کرنا شروع کیا کہ تم نے قادیان میں کیا دیکھا؟ وہ عموماً یہ جواب دیتا۔ کہ وہاں دکانداری اور ٹھگ بازی ہے اور کچھ نہیں۔ مکرم شیخ صاحب کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اللہ جوایا کی بات ٹھیک معلوم نہیں ہوتی۔ اس پر آپ نے اللہ جوایا سے الگ بات کرنا چاہی جسے اس نے منظور کر لیا۔ چنانچہ ایک دو روز کے اندر اندر ہی آپ نے اسے اپنی دکان پر چلنے کے لئے کہا۔ جب دونوں دکان کی طرف چل پڑے تو اتفاقاً میاں صاحب کو پتہ لگ گیا۔ رات اندھیری تھی۔ وہ بھی پیچھے پیچھے چل پڑے آپ پہلے دکان میں لیمپ جلا کر گئے تھے۔ دکان کا نصف کمرہ کپاس سے بھرا پڑا تھا۔ دونوں اس کے اوپر بیٹھ گئے میاں صاحب موصوف جیسا کہ بعد میں پتہ چلا۔ دروازہ کے باہر کھڑے ہو کر ان دونوں کو دیکھتے رہے۔ باہر اندھیرا تھا۔ اور اندر روشنی۔ اس لئے میاں صاحب تو دروازہ کی درزوں سے اندر دیکھ سکتے تھے لیکن وہ میاں صاحب کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔

آپ نے کپاس پر بیٹھتے ہی اللہ جوایا کو کہا کہ تم جب سے قادیان سے واپس آئے ہو

ہمیشہ یہ جواب دیتے ہو کہ قادیان میں سوائے دکانداری اور ٹھگ بازی کے اور کچھ نہیں تمہاری یہ بات مجھے غلط معلوم ہوتی ہے۔ اگر وہاں دکانداری اور ٹھگ بازی ہوتی۔ تو میاں محمد مراد صاحب بھی یقیناً ٹھگ ہوتے کیونکہ یہ بھی اسی گروہ کے ایک فرد ہیں۔ اب ہم دونوں لوگوں سے بالکل الگ تھلگ بیٹھے ہیں۔ میں تمہیں اللہ تعالےٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ سچ سچ بیان کرو۔ وہاں تم نے کیا دیکھا؟ یہ بات آپ نے کچھ اس قسم کے جذبے کے ساتھ کہی کہ اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور وہ فوراً بول اٹھا کہ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر اسلام دنیا کے تختہ پر کسی جگہ ہے۔ تو وہ صرف قادیان میں ہے وہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ بہت ہی محبت سے ملتے ہیں ہر طرف السلام علیکم السلام علیکم کی آوازیں آتی ہیں۔ اور دیانتداری کا یہ عالم ہے کہ ہم چائے کی ایک دکان پر گئے میز پر کھانے کی چیزیں پڑی تھیں جو جس کے جی میں آتا تھا کھاتا تھا۔ اور جب پیسے دینے لگتا تھا تو دکاندار یہ پوچھتا تھا۔ کہ تم نے کیا کھایا ہے جو وہ بتاتا۔ اس کے مطابق وہ پیسے لے لیتا۔ گویا وہ سمجھتا تھا کہ احمدی جھوٹ بول ہی نہیں سکتے۔ اس قسم کی اس نے کئی باتیں احمدیوں کے صدق اور اخلاص کی بتائیں۔ اس پر آپ نے اسے پوچھا کہ جب ان لوگوں کے اخلاق اور سچائی کا یہ عالم ہے تو پھر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ وہاں دکانداری اور ٹھگ بازی ہے۔ اس پر وہ کہنے لگا آپ جانتے ہیں کہ میں قوم کا مصلی ہوں جسے کمین کہہ کر پکارا جاتا ہے اگر میں ان جاہل اور اُجڈ زمینداروں کے سامنے برملا طور پر سچی بات بیان کروں تو یہ لوگ جوتے مار مار کر میرا سر گنجا کر دیں۔ میں نے اس وقت سچی شہادت دے دی ہے لیکن اگر کل لوگوں کے سامنے تم نے مجھ سے یہی بات دریافت کی تو میں وہی ٹھگ بازی وغیرہ بیان کرونگا۔ پھر کہنے لگا۔ کہ اس گاؤں میں میں نے رہنا ہے۔ میں یہاں کے زمینداروں کے منشاء کے خلاف کیسے بات کر سکتا ہوں۔ اس پر آپ نے اسے کہا کہ اچھا اب تم جاؤ۔ میں کل دو چار روز کے لئے قادیان دیکھنے جاؤں گا۔ جب وہ باہر نکلنے کے لئے اُٹھا تو مکرم میاں محمد مراد صاحب بھی چلے گئے۔

قادیان دیکھنے کے لئے روانہ ہونا

آپ بیان کرتے ہیں کہ:۔

میں نے اس کو باہر نکال کر دروازہ اندر سے بند کر لیا اور اور اسی طرح کپاس پر بیٹھ گیا۔ اور اس سوچ میں غرق ہو گیا کہ میں کل قادیان جاؤں یا نہ جاؤں جاڑوں کی وہ رات مجھے کبھی نہیں بھولتی۔ عجیب کشمکش کا عالم تھا۔ کبھی میں یہ فیصلہ کرتا کہ چلا جاؤں گا۔ اور کبھی یہ کہ نہیں جاؤں گا۔ اور دل کو سمجھانے کے لئے یہ کہہ دیتا۔ کہ بیسیوں دفعہ ہم کئی باتیں کہہ بیٹھتے ہیں مگر کرتے نہیں۔ یہ بھی انہیں باتوں جیسی ایک بات ہے۔ اگر نہ گیا تو پھر کیا ہو جائے گا؟ آخر دل نے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمان تو میں نے ہونا نہیں۔ سیر ہی کر آؤں گا

سب لوگ سیر و تفریح کے لئے کہیں نہ کہیں جاتے ہیں میں قادیان ہو آؤں گا۔ اس میں حرج کی کونسی بات ہے۔

غرض ساری رات میں نے انہی خیالات میں گذاری۔ جب دن چڑھا تو اپنے آخری فیصلہ پر عمل کرنے کے لئے میں نے دکان کا دروازہ بند کیا۔ تالا لگایا۔ اور سیدھا مکرم محترم میاں محمد مراد صاحب کے پاس پہنچا انہیں اپنے ارادہ سے اطلاع دی اور کہا کہ دکان کی یہ کنجی ہے اسے آپ ہمارے گھر پہنچا دیں۔ لیکن یہ نہ بتائیں کہ میں قادیان جارہا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ رات جب تم دونوں دکان کی طرف جا رہے تھے تو میں تمہارے پیچھے پیچھے تھا اور دروازہ کے باہر کھڑے ہو کر تمہاری گفتگو سن رہا تھا۔ اور گھر واپس آکر میں نے بھی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر تم قادیان جانے کے لئے تیار ہو گئے تو میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ کیونکہ تم ناواقف ہو اور میں وہاں کے سارے حالات سے واقف ہوں۔ میرا ساتھ جانا بہر حال مفید رہے گا۔ میں نے کہا۔ بہت اچھا۔ پھر چلیے۔ اس پر ہم نے کنجی کسی اور آدمی کے ذریعہ گھر بھجوا دی اور ہم دونوں سانگلہ ہل کی طرف جو وہاں کا نزدیکی ریلوے اسٹیشن تھا۔ چل پڑے۔ سانگلہ ہل سے غالباً لاہور کے ٹکٹ لئے۔ اور رات حضرت قریشی محمد حسین صاحبؓ موجد مفرح عنبری امیر جماعت لاہور کے مکان پر گذاری۔ اللہ اللہ! حضرت حکیم صاحبؓ کی کیا ہی عجیب روحانی شخصیت تھی۔ نہایت باوقار، سنجیدہ اور بارعب۔ قد دراز۔ سر پر سفید پگڑی۔ میں تو اس وقت صرف پندرہ سولہ سال کی عمر کا بچہ تھا۔ لیکن ان کا نماز پڑھنے کا واقعہ اب تک مجھے یاد ہے۔ گھر میں ایک قالین پر انہوں نے نماز پڑھی۔ میں پاس بیٹھا دیکھتا رہا تھا۔ اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میں ایک فرشتہ کو حرکت کرتے دیکھ رہا ہوں ان کی شکل مجھے بہت ہی پیاری لگتی تھی۔ غالباً دوسرے روز جمعہ تھا۔ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ نے مسجد احمدیہ بیرون دہلی دروازہ میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ وہ خطبہ مختصر سا تھا لیکن چونکہ حضرت حافظ صاحب کا طرزِ تخاطب بڑا دلچسپ تھا اس لئے اس خطبہ کا خلاصہ اب تک مجھے یاد ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ شیاطین بسیرت علماء کا وجود بھی الٰہی سلسلوں کے لئے کھاد کا کام دیتا ہے۔ اگر یہ لوگ کفر کے فتوے نہ لگائیں تو انبیاء بھلا اپنی دعوت کو اکناف عالم تک کیسے پہنچا سکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسیحیت اور مہدویت کا دعویٰ کیا ہے اور مولویوں نے مخالفت میں آسمان سر پر اٹھا لیا۔ سخت طوفان بدتمیزی برپا کیا۔ کفر کے فتوے لگائے اور بیک وقت ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کے کانوں تک یہ آواز پہنچائی کہ پنجاب کے ایک گاؤں قادیان میں ایک شخص مرزا غلام احمدؐ پیدا ہوا ہے جو کہتا ہے کہ

حضرت مسیح ناصریؑ اپنی طبعی موت سے وفات پا چکے ہیں۔ اور جس مسیح اور مہدی کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی ۔ وہ میں ہوں ۔ دیکھو لوگو! وہ جھوٹا ہے۔ تم اس کے قریب بھی نہ آنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ فرمایا۔ اگر اس قسم کی باتیں کر کے علماء سوء لوگوں کو قادیان اور حضرت اقدسؑ کے حالات سے آگاہ نہ کرتے تو ہم احمدی لوگ تو ان تک سینکڑوں سالوں میں بھی نہ پہنچ سکتے۔ ان مولویوں کی مخالفانہ تقریروں اور کفر کے فتووں کا یہ فائدہ ہوا کہ کئی سعید اور نیک روحوں نے تحقیقات شروع کی اور آخر صداقت کو پا لیا۔

ورودِ قادیان

اس روز یا دوسرے روز عازم بٹالہ ہوئے لیکن بٹالہ کے قریب پہنچکر یہ خیال آیا کہ اگر ہم بٹالہ اُترے تو چونکہ قادیان جانے کے لئے یہ مشہور شاہراہ ہے اس لئے ممکن ہے کہ گھر کے بعض افراد ہمارا پیچھا کر رہے ہوں۔ اور قادیان پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں ہمیں پکڑ لیں۔ اور واپس چلنے پر مجبور کریں۔ اس لئے مکرم و محترم میاں محمد مراد صاحب آپ سمیت اگلے ریلوے اسٹیشن "چھینا" پر اُترے۔

چنانچہ "چھینا" سے پاپیادہ قادیان پہنچے۔ قادیان پہنچتے ہی آپ نے محترم میاں صاحب سے عرض کی کہ چونکہ میں ایک راسخ العقیدہ ہندو ہوں۔ اور یہاں صرف دو چار روز کے لئے قادیان دیکھنے آیا ہوں۔ دورانِ سفر کی طرح یہاں بھی ہندوؤں کے ہاں سے ہی کھانا کھاؤں گا آپ مسلمانوں کے ہاں سے میرا کھانا نہ منگوائیں۔ میاں صاحب نے فرمایا۔ بہت اچھا۔ اور انہوں نے حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ناظر ضیافت سے کہکر ہندوؤں کے گھر سے کھانا منگوانے کا انتظام کر دیا۔ آپ وہاں اندازاً آٹھ دن ہندو رہے۔ اس عرصہ میں مکرم میاں صاحب آپ کو قادیان کے متعدد بزرگوں کے پاس لے جاتے رہے خصوصاً ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحبؓ۔ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ۔ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ۔ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب نیرؓ۔ حضرت بھائی عبد الرحیم صاحبؓ قادیانی۔ حضرت قاضی امیر حسین صاحبؓ۔ حضرت سردار عبد الرحمٰن صاحبؓ (سابق مہر سنگھ) حضرت شیخ غلام احمد صاحبؓ واعظ نو مسلم، حضرت سردار محمد یوسف صاحبؓ نومسلم (ایڈیٹر نور) حضرت مولوی ذوالفقار علی خانصاحبؓ اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ سے کئی کئی مرتبہ ملاقات کرائی۔ ان میں سے جو بزرگ ہندوؤں یا سکھوں میں سے اسلام لائے تھے وہ اپنے اسلام اور احمدیت قبول کرنے کے واقعات سناتے اور احمدیت قبول کرنے کے بعد جو ان پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے انوار و برکات کی بارش ہوئی تھی۔ اس کا عجیب دلکش انداز میں ذکر فرماتے تھے۔ ان کی روحانی تبدیلی کو دیکھکر مکرم شیخ صاحب کا دل اس بات کی

گواہی دیتا تھا کہ جن مسلمانوں کو آپ اپنے علاقہ میں دیکھا کرتے تھے۔ ان کے اسلام میں اور ان لوگوں کے اسلام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پھر ان بزرگوں کے اخلاق اور عادات تو اس قدر اعلیٰ و ارفع تھے کہ آپ کو ان بزرگوں کو دیکھ کر ماننا پڑا کہ اگر یہی اسلام ہے تو میرا دل ہزار جان سے اس پر فدا ہے۔

ان دنوں کا قادیان

آپ بیان کرتے ہیں کہ:۔
ان ایام میں قادیان کی فضا عجیب قسم کی تھی ہر چھوٹا بڑا اسلام پر دل و جان سے قربان نظر آتا تھا۔ سحری کے وقت لوگ تہجد کے لئے اُٹھ کر مساجد میں جاتے قرآن کریم اور احادیث کی دعائیں ان کی زبان پر ہوتیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشعار سے فضا گونج اٹھتی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود اس کثرت سے پڑھا جاتا کہ میں حیرت زدہ ہو کر رہ جاتا۔ کچھ دیر کے بعد جو فجر کی اذانیں شروع ہوتیں۔ تو ایک عجیب سماں بندھ جاتا۔ فجر کی نماز کے بعد ہر مسجد میں قرآن کریم کا درس ہوتا۔ درس سُن کر جب لوگ واپس اپنے گھروں میں پہنچتے تو ہر شخص قرآن کریم لے کر بیٹھ جاتا۔ اور تلاوت شروع کر دیتا۔ ہر گھر سے اس کے پڑھنے کی آوازیں آتیں۔ گاڑی بان، یکّہ بان، معمار، مزدور، باورچی، دانے بھونتے والی اور روٹی پکانے والی عورتوں تک کی زبان سے قرآن کریم کی آیات سننے میں آتیں۔ میں نے بارہا حجاموں کو قرآن کریم کی آیات کو بطور استشہاد پڑھتے سنا۔ اللہ اللہ! وہ زمانہ کیا عجیب تھا۔ حضرت اقدس امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز پر جوانی کا عالم تھا۔ صحت نہایت اچھی تھی جب آپ نمازوں میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تو عاشقانِ زار پر ایک عجیب وجد کی کیفیت طاری ہوتی اور جب آپ سجدہ میں جاتے تو بارگاہِ الٰہی میں عجز و نیاز کرتے کرتے مخلصین کی چیخیں نکل جاتیں۔ میرا یہ عالم تھا کہ مجھے نماز تو آتی نہیں تھی۔ ہندو ہونے کے ایام میں بھی میں مکرم و محترم میاں محمد مراد صاحب کے ساتھ بار مسجد مبارک میں نمازوں کے اوقات میں جاتا اور پہلی صف میں نمازیوں کے درمیان بیٹھ جاتا۔ اور اس سارے نظارے کو بچشم خود دیکھتا اور جب بیعت کر لی۔ تو جب تک نماز کو زبانی یاد نہیں کر لیا سبحان اللہ سبحان اللہ ہی کہتا رہتا۔

ان ایام میں حضرت اقدس کا یہ معمول تھا کہ آپ عصر کی نماز کے بعد مسجد مبارک میں ہی احباب کے درمیان رونق افروز ہوتے اور مغرب تک تشریف فرما رہتے۔ اس اثناء میں حضور پُر نور کی خدمت میں حاضرین میں سے بعض لوگ اپنی مشکلات کا ذکر کر کے دُعا کی درخواست

کرتے۔ مسائل دریافت کرتے۔ تبلیغی میدان میں پیش آمدہ سوالات کو پیش کر کے ان کے جوابات معلوم کرتے۔ اور بعض اوقات پرائیویٹ سیکرٹری صاحب بھی باہر سے آمدہ خطوط پڑھ کر سُناتے اور حضرت اقدس مجمع میں ہی جوابات لکھوا دیتے۔ اور ایسے ایسے مشکل اور پیچیدہ مسائل کو نہایت ہی آسان اور عام فہم الفاظ میں حل فرماتے۔ کہ حاضرین کی زبانوں سے بے اختیار سبحان اللہ! سبحان اللہ! نکل جاتا۔

ان ایام میں حضور پُر نور کی مجلس کا نظارہ بھی عجیب قسم کا تھا۔ حضور کے مسجد میں تشریف لانے سے قبل مسجد نمازیوں سے بھر جاتی تھی۔ اور لوگوں پر اس قدر خشیۃ اللہ طاری ہوتی کہ مسجد میں سوائے تسبیح و تحمید اور استغفار کے اور کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ اور جب حضور پُر نور مسجد میں تشریف لاتے تو ایک سنّاٹے کا عالم طاری ہو جاتا۔ اور لوگوں کی نظروں کا مرکز صرف اور صرف ایک ہی وجود ہوتا۔ اور جب تک حضور نماز پڑھانے میں مشغول رہتے یا نماز کے بعد احباب میں تشریف فرما ہوتے۔ سوائے حضور کے اور کسی متنفس کی آواز سننے میں نہیں آتی تھی اور لوگ حضور کے کلمات طیبات سننے کے لئے اس طرح ہمہ تن گوش ہو جاتے کہ گویا میدانِ حشر میں لوگوں کی قسمتوں کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ اور ہر شخص کو اس کا ڈر ہے کہ اگر میری ذرا سی توجہ اِدھر اُدھر ہوئی یا میں نے اُونچا سانس بھی لیا۔ تو کہیں میں اپنا فیصلہ سننے سے محروم نہ رہ جاؤں۔ خلافت کی قدر و منزلت کا یہ احساس نئی پود کے قلوب میں جاری رکھنا پُرانے احباب کا فرض ہے۔

قبولِ اسلام

آپ آٹھ دن ہندوؤں کے گھر کا کھانا کھاتے رہے۔ مگر ان بزرگوں کی رُوح پرور باتیں سُن سُن کر اور ان کے اخلاقِ فاضلہ کو دیکھ دیکھ کر آپ پر احمدیت کا رنگ چڑھتا جا رہا تھا۔ اور پھر حضرت اقدس کے کلمات طیبات سُن کر اور حضور کے درخشندہ چہرہ کی نورانی شعاعوں سے متاثر ہو کر آپ کا دل گواہی دیتا تھا کہ یہ چہرہ جھوٹوں کا نہیں ہو سکتا۔ آخر آپ نے آٹھویں دن حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی کہ حضور! مجھ پر اسلام کی صداقت منکشف ہو چکی ہے۔ اور میں اپنے پرانے خیالات سے کلّی تائب ہو چکا ہوں حضور میری بیعت قبول فرما کر مجھے اپنے غلاموں کے حلقہ میں داخل کر لیں۔ حضور نے فرمایا۔ میاں! ابھی تم بچے ہو تمہاری عمر چھوٹی ہے دو تین ماہ اور ٹھہرو۔ اور مزید تحقیقات کرو۔ جلدی کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر آپ نے عرض کی کہ حضور! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میری روح کو صداقت اسلام پر پورا یقین ہو چکا ہے۔ اور اسلام پورے طور پر میرے رگ و ریشے میں سرایت کر چکا ہے اب میں اک لحظہ کے لئے بھی اسلام سے باہر رہ کر کفر کی زندگی بسر کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ حضور میری بیعت قبول فرما دیں اور مجھے اپنے حلقہ بگوشوں

میں داخل فرما دیں۔ آپ کے اس اصرار کو دیکھ کر حضور پُرنور نے حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحبؓ کو ارشاد فرمایا۔ کہ مولوی صاحب! اس بچہ کو آپ آج کلمہ پڑھا دیں۔ کل میں اس کی بیعت لے لونگا۔ حضرت مولانا صاحب نے اپنے آقا کے اس ارشاد کی تعمیل میں آپ کو فرمایا کہ بچے! پڑھو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ آپ نے فوراً حضرت مولوی صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں کہا۔ کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ الحمد للہ کہ سودا گرمل اب شیخ عبدالقادر بن چکے تھے۔

بیعتِ احمدیت اور اس وقت کے جذبات

آپ بیان فرماتے ہیں کہ:۔
دوسرے روز حضرت اقدس نے عاجز کی بیعت قبول فرمائی اور عبدالقادر نام رکھا۔ قارئین کرام کی خدمت میں درخواست ہے کہ دعا فرما دیں کہ اللہ تعالےٰ مجھے سچ مچ عبدالقادر بنا دے۔ اور عاقبت محمود کرے آمین ثم آمین۔

اللہ اللہ! وہ نظارہ بھی کیا عجیب تھا۔ حضور نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ آپ بیعت کے الفاظ ارشاد فرماتے۔ اور میں ان الفاظ کو دُہراتا جاتا تھا۔ گناہوں سے توبہ کرنے کا احساس دل میں تھا۔ سردی کے موسم میں جسم پسینہ سے شرابور ہو رہا تھا۔ تو رُوح کسی عالم بالا میں پرواز کر رہی تھی۔ ایک نئی زمین ہے جس پر میں قدم رکھ رہا ہوں۔ اور ایک نیا آسمان ہے جو میرے لئے سایہ فگن ہے۔ غرضیکہ ایک عجیب کیفیت تھی۔ جو مجھ پر طاری تھی اور ایک ایسا سماں تھا۔ جس کو میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ خدا خدا کر کے بیعت کے الفاظ ختم ہوئے۔ حضرت اقدس نے حاضرین سمیت میری استقامت فی الدّین کے لئے دعا فرمائی۔ جب حضور مجلس سے اٹھ کر اندر تشریف لے گئے۔ تو حاضرین نے چاروں طرف سے مجھے مبارکبادیں دینا شروع کر دیں۔ میں بظاہر تو ہر ایک کا شکریہ ادا کرتا تھا لیکن میرے دل کی عجیب کیفیت تھی۔ کبھی میں اپنی پہلی زندگی پر نگاہ دوڑاتا تھا۔ اور مجھے وہ زمانہ یاد آتا تھا جب مسلمان کے سایہ سے بھی میں دور بھاگتا تھا اور ہر وقت بھرشٹ (ناپاک) ہونے کا خیال دل میں جاگزیں رہتا تھا۔ اور آج یہ حالت تھی کہ میں اسلام قبول کر چکا تھا اور سابقہ اعتقادات کی غلطی مجھ پر پورے طور پر واضح ہو چکی تھی۔

لیکن جب عادات راسخ ہو جائیں تو طبیعت ثانیہ بن جاتی ہیں۔ باوجود اس بات کے کہ اب اعتقاد کی رُو سے مسلمان کے ہاتھ کا کھانا میرے لئے ضروری تھا۔ مگر سابقہ نفرت کچھ اس طرح دل و دماغ پر مستولی ہو چکی تھی کہ دل سمجھتا تھا لیکن مانتا نہیں تھا۔

میں انہی خیالات کی کشمکش میں مبتلا تھا کہ خدا جنّت نصیب کرے۔ میاں الہ دین صاحب فلاسفر کو وہ تشریف لے آئے۔ وہ ازراہِ نوازش اکثر میرے پاس تشریف لایا کرتے تھے۔ اس روز بھی حسب معمول تشریف لے آئے۔ اور فرمانے لگے کہ کیا آپ نے کبھی رامائن کا مطالعہ کیا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ بلکہ دسہرہ کے ایام میں میں رام لیلا میں لچھمن کا پارٹ بھی ادا کر چکا ہوں۔ فرمانے لگے۔ کیا آپ کو اس بات کا علم نہیں کہ جب رام چندر جی مہاراج لچھمن جی اور سیتا جی کو چودہ برس کا بن باس ملا تھا تو جنگل میں ایک بھیلنی نے اپنی محبت۔ اور اخلاص میں حضرت رام چندر جی مہاراج کی خدمت میں بیر پیش کرنے کے لئے جمع کئے تھے۔ اور اس تحفہ کے جمع کرنے کے لئے اس نے طریق یہ اختیار کیا تھا کہ پہلے بیر کو چکھتی تھی اگر میٹھا ہوتا تو رکھ لیتی ورنہ پھینک دیتی۔ اس طرح اس نے اپنے جھوٹے بیر حضرت رامچندر جی مہاراج کی خدمت میں پیش کئے اور انہوں نے ہرگز ان کے کھانے سے کراہت نہیں کی۔ بلکہ بڑی بے تکلّفی کے ساتھ انہیں کھانا شروع کر دیا۔ فلاسفر صاحب کی یہ بات سنکر میں نے کہا کہ ہاں مجھے اس واقعہ کا علم ہے۔ فرمانے لگے اگر رامچندر جی مہاراج ایک بھیلنی کے جھوٹے بیر کھا سکتے ہیں تو آپ ہمارے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کیوں نہیں کھا سکتے۔ ہم لوگ دن میں پانچ وقت منہ ہاتھ دھوتے ہیں کپڑے صاف پہنتے ہیں بتائیے ہمارے اندر ظاہری صفائی کے لحاظ سے بھی ہندو صاحبان کی نسبت کونسی کمی ہے۔ فلاسفر صاحب کی اس معقول اور مدلل بات کو سُنکر مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اور میں نے کہا اچھا آپ کھانا منگوا لیجئے میں کھالوں گا۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں ایک نہایت ہی صاف ستھری ٹرے (Tray) میں ایک عمدہ چینی کی پلیٹ میں نہایت ہی نفیس اور خوش ذائقہ میٹھے چاول آگئے۔ اور باوجود اس بات کے کہ مجھے بھی بھوک شدّت کی لگی ہوئی تھی۔ لیکن بڑی مشکل سے دو تین چاول میں نے منہ میں ڈالے اور پھر میرے دانتوں اور زبان نے اس فرض کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ اور میں نے فلاسفر صاحب کو کہا۔ کہ باباجی بس! اس وقت میری طبیعت پر بوجھ ہے۔ میں اور نہیں کھا سکتا۔

مجھے خوب یاد ہے کہ جب میں نے چند چاول منہ میں ڈالے تو مکرم و محترم میاں محمد مراد صاحب جو پاس ہی بیٹھے تھے۔ فوراً سجدہ میں گر گئے اور اس امر پر اللہ تعالےٰ کا شکریہ ادا کیا کہ جس رُوح کو وہ کفر سے نکالنے کے لئے کئی مہینوں سے محنتِ شاقہ کر رہے تھے۔ آج اللہ تعالیٰ نے ان کی اس محنت کو قبول فرما لیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرہ۔ آمین۔

بعض اقارب کی قادیان میں آمد

اقارب کو جب علم ہوا کہ میاں محمد مراد صاحب بھی گاؤں میں نہیں ہیں تو فوراً ان کے دل میں شبہ

پیدا ہؤا کہ ہمارے لڑکے کو یقیناً وہ قادیان لے گئے ہیں چنانچہ وہ پہلے تھانہ میں رپورٹ کروانے گئے تھانہ والوں نے کہا کہ قادیان کے علاوہ کسی اور جگہ تمہارا لڑکا ہو تو ہم واپس لا سکتے ہیں قادیان سے لانا مشکل ہے۔ غالباً ان کا یہ خیال تھا کہ کسی دوسری جگہ سے تو ہم خلاف قانون بھی اپنا مقصد حاصل کرلیں گے لیکن قادیان میں خلاف قانون حرکت کر کے کامیاب ہونا مشکل ہے۔ تھانہ والوں کا یہ جواب سنکر آپ کے اقارب میں سے سات افراد آپ کو لینے کے لئے قادیان پہنچ گئے جس روز وہ قادیان پہنچے غالباً اس روز ہی آپ کلمہ پڑھکر مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت چوہدری نصر اللہ خانصاحب رضی اللہ عنہ ناظر اعلیٰ سے ان لوگوں نے ملاقات کی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کسی شخص کو بھی زبردستی قادیان میں نہیں رکھ سکتے۔ اور نہ ہی اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے بلکہ ہماری مقدس مذہبی کتاب قرآن کریم میں تو لکھا ہے کہ "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" دین میں جبر جائز نہیں۔ پس ہم اپنے مذہب کے خلاف کس طرح تمہارے بچہ کو اپنے پاس رکھ سکتے ہیں ہماری تو دلی خواہش ہے کہ ہماری جماعت میں وہی شخص داخل ہو جو دل سے ہمارے مذہبی نظریات کو قبول کر چکا ہو لیکن اگر شخص منافقت سے ہمارے ساتھ شامل ہوتا ہے اور اس نے دو چار ماہ یا سال دو سال کے بعد پھر اپنے مذہب میں واپس لوٹ جانا ہے تو بہتر ہے کہ وہ آج ہی واپس چلا جائے۔ پس تم اپنے بچہ سے بات کرو اگر وہ جانا چاہے تو ہماری طرف سے مکمل آزادی ہے بیشک واپس چلا جائے۔ لیکن جب مکرم شیخ صاحب سے دریافت کیا گیا تو آپ نے کہا کہ میں سچے دل سے اسلام قبول کر چکا ہوں اور اس وقت واپس جانے کے لئے ہرگز تیار نہیں کچھ عرصہ بعد انشاء اللہ ملاقات کے لئے آؤں گا۔

اس سلسلہ میں اخویم قریشی محمد حنیف صاحب قمر سائیکل سیاح ربوہ بیان کرتے ہیں کہ مکرم میاں محمد مراد صاحب متفکر تھے کہ مکرم شیخ صاحب کو تربیت کے لئے کس کے سپرد کیا جائے اس ذمہ داری کو میں نے قبول کرلیا۔ ہنود قادیان کو معلوم ہو چکا تھا کہ ایک نوجوان ہندو اسلام قبول کر چکا ہے۔ چنانچہ آپ میری بیٹھک میں ایک ماہ مقیم رہے۔ میں نماز سکھلاتا اور قاعدہ یسرنا القرآن پڑھاتا تھا اور جب میں نے گھر سے باہر جانا ہوتا تو بیٹھک کو مقفل کر دیتا۔ کیونکہ یہ اقارب جن کی امداد کے لئے کچھ مسلمان بھی آئے ہوئے تھے جب مجھے ملتے تو منت سماجت کرتے کہ سوداگر مل (شیخ صاحب) سے ہماری ملاقات کراؤ۔ ہم ملاقات کے لئے آئے ہیں لیکن جب مجھے شبہ ہؤا کہ یہ لوگ بہ زور ان کو پکڑ کر لے جانے کی کوشش کریں گے یا ان پر یا مجھ پر حملہ کر دینگے تو ایک دن میں نے بہشتی مقبرہ میں چھپایا اور حفاظت کے لئے خود بھی پاس رہا۔ پھر دو تین دن اپنے حضرت مرزا محمد اشرف صاحبؓ کی بیٹھک میں چھپائے رکھا

یہ لوگ میرے مکان اور مہمان خانہ اور احمدیہ بازار کا چکر لگاتے رہتے تھے۔ پھر آپ کو حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب کے مشورہ کے مطابق بورڈنگ مدرسہ احمدیہ میں داخل کر دیا۔ پھر یہ لوگ سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ کی منت سماجت کرنے لگے تا ملاقات کر سکیں۔ چنانچہ آپ کو پندرہ بیس بورڈروں میں بٹھلا کر آپ کے رشتہ داروں کو بلایا گیا۔ لیکن ماموں بھی جلدی سے نہ پہچان سکے۔ ماموں اور بھائی گلے لگ کر رو دئے۔ لیکن شیخ صاحب نے کہا کہ رونے دھونے سے کیا حاصل؟ میں تعلیم حاصل کر رہا ہوں۔ بعد حصولِ تعلیم والدہ صاحبہ اور آپ لوگوں سے آ کر ملوں گا۔ آخر وہ مایوس ہو کر دس پندرہ دن کے قیام کے بعد واپس چلے گئے۔ وہ ہندو محلہ میں ٹھہرے تھے۔ اور انہوں نے مقامی ہندوؤں کی مدد سے حملہ کر کے لے جانے کی بھی کافی کوشش کی۔ لیکن بُری طرح ناکام ہوئے۔

آتشِ انتقام

مکرم شیخ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ناکامی کے باعث اقارب آتشِ انتقام میں جلنے لگے اور انہوں نے زمینداروں کو اپنے ساتھ ملا کر میاں صاحب محترم کی نوجوان بیٹی کو چھین لینے اور مال و اسباب لوٹ لینے کی ٹھانی۔ اللہ تعالیٰ نے معجزانہ رنگ میں عزت و ناموس کی حفاظت فرمائی اور تحریر فرماتے ہیں کہ میری دعا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ان کے مالی نقصان کی تلافی کر دی ہے۔ اسی طرح آخرت میں ان کو اس کے عوض اجر عظیم عطا کرے۔ آمین۔

مدرسہ احمدیہ میں داخلہ اور تعلیم

آپ کی خواہش تھی کہ آپ مدرسہ احمدیہ میں دینی تعلیم حاصل کریں۔ لیکن ان ایام میں غالباً صدر انجمن کی مالی حالت اس قدر کمزور تھی۔ کہ ناظر صاحب تعلیم نے آپ کو مشورہ دیا کہ تاجر قوم کا فرد ہونے کی وجہ سے کسی دکاندار کے ساتھ کاروبار میں شریک کروا دینا مناسب ہے، اور دینی تعلیم کی کمی یہاں رہنے کی وجہ سے خود بخود پوری ہو جائے گی۔ مگر آپ نے کہا کہ میں اب ہرگز کسی دنیوی کاروبار میں پڑ کر اپنی عمر کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ میری تو دلی تمنا ہے کہ مجھے خواہ کس قدر مشکلات میں سے گذرنا پڑے میں دینی تعلیم حاصل کروں اور پھر دنیا بھر میں گھوم کر اس کا پرچار کروں محترم ناظر صاحب نے یہ دیکھ کر کہ یہ لڑکا کسی طرح سے بھی اپنے ارادہ سے باز نہیں آتا۔ تو انہوں نے ایک نہایت ہی قلیل وظیفہ مقرر کر کے مدرسہ احمدیہ میں داخل کرا دیا۔ آپ خوب صحتمند اور تنومند تھے۔ آپ نے محنت کر کے پہلے سال ہی یعنی ۱۹۲۶ء میں مدرسہ احمدیہ کی پہلی دوسری اور تیسری میں اور اگلے سال چوتھی اور پانچویں کے امتحانات میں کامیابی حاصل کر کے آپ گویا مئی ۱۹۲۷ء میں چھٹی جماعت میں شامل ہو گئے آپ اس سال بھی دو جماعتوں کا امتحان

پاس کرنا چاہتے تھے لیکن چونکہ صدر انجمن کی مالی مشکلات کی وجہ سے آپ کا وظیفہ اس قدر قلیل تھا کہ اگر آپ کو تن ڈھانکنے کے لئے کوئی کپڑا بنانا ہوتا تو کئی روز ایک وقت کا کھانا بند کروانا پڑتا۔ ان تکالیف کی وجہ سے آپ کو عموماً گھر کی یاد ستاتی اور بعض ایام آپ پر ایسے بھی آئے کہ رات کو روتے روتے سرہانہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ اسلام چھوڑنے کا خیال کبھی آپ کے دل میں نہیں آیا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ اسلام قبول کرتے ہی بعض بزرگوں کی نصائح کے مطابق دعائیں کرنے کا آپ کو از حد شغف تھا۔ عموماً آپ نمازِ عشاء کے بعد مسجد اقصیٰ میں کم از کم آدھ گھنٹہ روزانہ دعاؤں میں صرف کرتے۔ اور نمازوں میں بھی اور تمام اوقات میں بھی رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ کی دعا نمازوں میں اور اس کے بغیر بھی وردِ زبان رہتی تھی۔ تاہم قانونِ قدرت نے اپنا اثر جاری رکھا۔ اور آپ کی صحت کمزور ہونے لگی۔ قلتِ غذا اور موسم سرما میں گرم پارچات کی کمی کی وجہ سے آپ تین موسم سرما میں انفلوئنزا سے علیل ہو کر شفاخانہ نور میں داخل کئے گئے۔ ہر بار جلسہ سالانہ سے بھی محروم رہے۔ اس کے انچارج حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب فرماتے کہ آپ گرم کپڑے کیوں نہیں پہنتے مگر آپ ہنس کر ٹال دیتے اس بیماری کا اثر اب تک آپ کی صحت پر موجود ہے۔

آپ ۱۹۳۱ء میں مولوی فاضل کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔[۱] آپ خاکسار مؤلف کے ہم جماعت تھے۔ اور ذہین اور ہوشیار طلباء میں سے تھے۔ اس جماعت میں مکرم صاحبزادہ ابوالحسن صاحب قدسی (خلف حضرت سید عبداللطیف صاحبؓ شہید) اور مکرم مولانا محمد سلیم صاحب (سابق مبلغ بلادِ اسلامیہ، کلکتہ و دہلی) جیسے ذہین طلبہ بھی شامل تھے۔

ایک دفعہ جب ہم ساتویں جماعت میں تھے صدر انجمن نے مدرسہ احمدیہ کے طلباء کے لئے بعض مضامین تجویز کر کے اعلان کیا کہ بہترین مضمون لکھنے والے کو انعام دیا جائے گا چنانچہ "مدرسہ احمدیہ کے بہترین مضمون نگار" کے طور پر حضرت مسیح موعودؑ کی تصنیف "چشمۂ معرفت" آپ کو عطا ہوئی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بانظارت تعلیم و تربیت کی طرف سے ایک وظیفہ ساتویں جماعت میں اوّل آنے والے کے لئے مقرر تھا لیکن شرط یہ تھی کہ وہ تفسیر کے پرچہ میں بھی اوّل آئے۔ راقم الحروف اوّل آیا لیکن تفسیر کے پرچہ میں شیخ صاحب محترم اوّل آئے۔ جس سے ظاہر ہے کہ باوجود قریب میں ہندوؤں میں سے آنے کے

[۱] اس جماعت کی کامیابی کا ذکر الفضل مورخہ [illegible] میں موجود ہے (ص۲)

اسلامیات میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کا ذہن خوب چلنے لگا تھا۔ اور اس میں آپ کی محنت اور دعاؤں کا بہت دخل تھا۔

پنڈت راج نرائن سے گفتگو

غالباً آپ کے قبولِ اسلام پر ابھی چند ماہ ہی گذرے تھے کہ دہلی کے ایک مشہور و معروف پنڈت راج نرائن صاحب قادیان میں تشریف لائے۔ اور چونکہ سناتن دھرمی تھے اور شیخ صاحب کا سابقہ تعلق بھی سناتن دھرم ہی سے تھا۔ اس لئے ان کی ہندوستان گیر شہرت کی وجہ سے آپ نے ان کا نام سنا ہوا تھا۔ مرکزی اداروں کو دیکھتے ہوئے وہ مدرسہ احمدیہ بھی دیکھنے آئے۔ کیونکہ اس مدرسہ کے فارغ التحصیل بالعموم میدانِ جہاد میں ہندو و نصاریٰ کے مقابل پر صف آرا ہوتے تھے وہاں مقامی ہنود نے جو مکرم شیخ صاحب کے قبولِ اسلام سے واقف ہو چکے تھے اشارہ کر کے پنڈت جی کو بتایا کہ یہ بھی پہلے ہندو تھا اور اب اسلام قبول کر کے اس مدرسہ میں دینی تعلیم حاصل کرتا ہے چنانچہ وہ اپنے ساتھی ہندوؤں اور بعض کارکنانِ مدرسہ کی معیت میں سیدھے آپ کے پاس چلے آئے۔ اور آپ سے آتے ہی سوال کیا۔ کہ برخوردار! میں نے سنا ہے کہ تم پہلے ہندو تھے اور اب اسلام قبول کر کے اس مدرسہ میں دینی تعلیم حاصل کر رہے ہو۔ کیا میں تم سے یہ دریافت کر سکتا ہوں۔ کہ ہندو دھرم میں تمہیں وہ کونسی کمی نظر آئی جس کی وجہ سے تم نے ہندو مت کو چھوڑ کر اسلام کو قبول کر لیا۔ آپ پہلے تو ان کا یہ سوال سن کر حیران سے رہ گئے اور کچھ گھبرا بھی گئے اور اس سوچ میں پڑ گئے کہ انہیں اس وزنی سوال کا کیا جواب دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی فرمائی اور آپ کو اس سوال کا ایک نہایت ہی لطیف جواب سمجھایا۔ آپ نے کہا پنڈت صاحب! میں نے سنا ہے کہ آپ سناتن دھرمیوں کے ہندوستان کے سب سے مشہور پنڈت ہیں۔ اگر آپ برا نہ منائیں تو اپنے سوال کا جواب سننے سے پہلے میرے ایک سوال کا جواب دیں۔ فرمانے لگے ہاں ہاں! پوچھئے۔ آپ نے کہا کہ مہربانی فرما کر یہ بتائیے کہ مذہب کا مقصد کیا ہے؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے وہی فقرہ نکلوایا جو آپ چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مذہب کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا پرمیشور کے ساتھ تعلق ہو جائے۔ آپ نے کہا۔ اب آپ مہربانی فرما کے یہ بتایئے۔ کہ آپ کا پرمیشور کے ساتھ تعلق پیدا ہو چکا ہے کہنے لگے نہیں! آپ نے کہا اگر آپ کا پرمیشور کے ساتھ تعلق پیدا نہیں ہوا۔ تو ہندوستان میں کروڑوں ہندو بستے ہیں مہاتما گاندھی جیسے مشہور و معروف انسان بھی ہیں اور سینکڑوں اور ہزاروں پنڈت قربِ الٰہی کے پانے کے لئے ہمالیہ کے جنگلوں میں اور دریاؤں کے کناروں پر تپسیا میں مصروف ہیں کیا اتنے بڑے ملک میں سے

آپ نے ایک شخص کا نام بھی نہیں سُنا جس کا یہ دعویٰ ہے کہ پرمیشور میرے ساتھ ہمکلام ہوتا ہے اور مجھ پر اپنے نشان کو ظاہر کرتا ہے۔ کہنے لگے جہاں تک میرا علم ہے کہ اس زمانہ میں مجھے ایک شخص بھی ان صفات کا نظر نہیں آتا۔ البتہ ہمارے پُرانے بزرگوں میں سے حضرت رام چندر جی مہاراج اور حضرت کرشن جی مہاراج میں یہ صفات نمایاں طور پر پائی جاتی تھیں ان کا یہ جملہ سنکر شیخ صاحب کی زبان سے بے اختیار یہ فقرہ نکلا کہ یہ تو پدرم سلطان بود والی بات ہوئی۔ ان بزرگوں کو تو ہم بھی جانتے ہیں اور ان کے اس مقام کے ہم قائل ہیں۔ لیکن میرا سوال تو موجودہ ہندوؤں کے متعلق ہے۔ کہنے لگے۔ اچھا آپ بتائیے کیا مسلمان قوم میں آپ کسی ایسے انسان کا نام لے سکتے ہیں جو اس امر کا مدعی ہو۔ کہ پرمیشور میرے ساتھ ہمکلام ہوتا ہے اور مجھے آئندہ آنے والے واقعات سے مطلع کرتا ہے۔ اب اس سوال کا جواب تو آپ کے لئے بالکل آسان تھا۔ آپ نے جھٹ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام لے لیا۔ اور کہا کہ حضور نے اس زمانہ میں اس امر کا دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ میرے ساتھ ہمکلام ہوتا ہے اور غیب کی خبروں پر مجھے مطلع کرتا ہے۔ حضورؑ کی کوئی پیشگوئی پوچھے پر بتایا کہ براہین احمدیہ میں آج سے چھپن سال قبل ان کی ایک پیشگوئی ہے کہ یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ یعنی تیرے پاس دُور دُور سے لوگ آئیں گے اور اس کثرت سے آئیں گے کہ جن رستوں پر وہ چل کر آئیں گے ان میں کثرت سفر کی وجہ سے گڑھے پڑ جائیں گے۔ اب آپ بتایئے۔ کہ آپ دہلی کے رہنے والے ہیں کیا دہلی یہاں سے دُور نہیں ہے؟ پھر آپ نے بٹالہ سے قادیان تک کا بھی سفر غالبًا یکّہ میں ہی کیا ہوگا۔ کیا آپ نے رستہ میں سڑک پر گڑھوں کو دیکھا ہے یا نہیں۔ کہنے لگے۔ یہ تو دونوں باتیں ٹھیک ہیں۔ پھر آپ نے کہا کہ اس قادیان کی بستی کے متعلق حضور نے فرمایا تھا کہ اتنی بڑھے گی اتنی بڑھے گی کہ دریائے بیاس تک جو یہاں سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے اس کا پھیلاؤ ہوجائے گا۔ اور اس کے آثار خُدا کے فضل سے ظاہر ہیں۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ اور اپنے ساتھیوں سمیت مدرسہ احمدیہ کے بورڈنگ ہاؤس کو دیکھنے میں مصروف ہو گئے اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ محترم شیخ صاحب کی تبدیلی مذہب میں کیسی سنجیدگی تھی اور قبول اسلام کی غایت و غرض ہمیشہ آپ کے مدّنظر رہتی تھی۔

تعطیلات میں اقارب سے ملاقات اور وہاں کے قیام میں مشکلات

موسم گرما ۱۹۲۷ء کی تعطیلات میں اقارب و احباب کی ملاقات کے لئے گھر جانے کا آپ کو خیال پیدا ہوا مگر آپ اس بات سے خائف تھے کہ نہ معلوم اقارب

کیا سلوک کریں۔ اس لئے پہلے آپ پنڈی بھٹیاں کے تھانے میں ایک احمدی جمعدار غالبًا حسن خاں نام کے پاس قیام کیا۔ وہاں کے اقارب نے گھر میں اطلاع بھجوا دی۔ اور بڑے بھائی لالہ کبیر چند صاحب ایک دو اور آدمی سمیت آئے۔ اور جمعدار صاحب سے ملاقات کی۔ انہوں نے فرمایا بیشک لے جاؤ لیکن اگر اسے آپ لوگوں نے کوئی تکلیف دی تو پولیس آپ کو اس کی سخت سزا دے گی آپ کا گھر پہنچنا تھا کہ آپ کے رشتہ داروں کو یہ امیدیں بندھ گئیں کہ اب ہم انہیں اپنے مذہب میں واپس لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ چنانچہ سارے رشتہ دار اکٹھے ہو گئے بعض نے کہا کہ اس کے ساتھ بحث کے لئے کسی پنڈت کو بلایا جائے۔ بعض نے کہا۔ پنڈت کو بلانے کی ضرورت نہیں۔ چند دن کے بعد اسے قادیان کے مولوی چھٹی دے دیں گے اور یہ دوسرے دینداروں (نو مسلموں) کی طرح جگہ بہ جگہ مساجد میں مانگتا پھرے گا۔ اور پھر اس زندگی سے تنگ آکر خود بخود اپنے مذہب میں واپس لوٹ آئے گا۔ بعض یہ خیال کرکے کہ شاید یہ کسی لالچ کی بناء پر مسلمان ہوئے ہیں کہا کہ ہم کسی نہایت ہی مالدار گھر میں آپ کی شادی کر دیتے ہیں۔ اور سارے رشتہ دار مل کر کافی سرمایہ جمع کر کے کسی بڑے شہر میں ایک عالیشان دکان کھول دیتے ہیں۔ آپ اپنے مذہب میں واپس آجائیں۔ بعض بولے کہ آپ کو کیا ہوا۔ کہ کٹورے سے نکل کر پیالے میں داخل ہو گئے ہو۔ یعنی ایک مالدار قوم کو چھوڑ کر ایک غریب قوم کا فرد بننا منظور کر لیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ بعض نے یہ بھی منصوبہ کیا کہ اسے کسی مکان میں بند کر کے اتنا مارا جائے۔ کہ یہ پھر واپس جانے کا نام نہ لے۔ مگر سمجھدار لوگوں نے انہیں سمجھایا۔ کہ اس طریق کو اختیار کر کے تم اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے۔ بلکہ یہ اپنے عقائد میں اور پختہ ہو جائے گا۔ تم اسے محبت اور پیار سے سمجھاؤ ممکن ہے اس طریق سے تم کامیاب ہو جاؤ۔ مگر یہاں تو وہ نشہ نہیں تھا جسے تُرشی اتار سکے۔ جوں جوں وہ بھانت بھانت کی بولیاں بولتے آپ کا ایمان اور بھی مضبوط ہوتا جاتا۔ مگر ہر وقت کی کشمکش اور شکر رنجی کی وجہ سے آپ کا دل وہاں رہنے سے دوسرے دن ہی اُچاٹ ہو گیا۔ اور آپ نے محسوس کیا۔ کہ میرا زیادہ دن یہاں ٹھہرنا مشکل ہے۔ چنانچہ اس خیال سے آپ نے کچھ ایام چک جھمرہ متصل سانگلہ ہل میں مکرم و محترم چوہدری محمد اکرم صاحب احمدی نمبردار کے پاس اور کچھ مکرم و محترم شیخ مقبول احمد صاحب گڈس کلرک سانگلہ ہل کے پاس گذارے۔ ان دونوں احباب نے خدا تعالےٰ انہیں اجر دے آپ کے ساتھ نہایت ہی عمدہ برتاؤ کیا۔ اور آپ نے دو تین سال گرمی کی رخصتیں انہیں حضرات کے ہاں گذاریں۔ گھر میں صرف دو تین دن ملاقات کے لئے جاتے۔ مگر پھر حالات کو سازگار

نہ پاکر اُن کے پاس آجاتے تھے۔

گھر میں وقت گزارنے کے لئے سب سے زیادہ دقت آپ کو اس وقت پیش آتی تھی۔ جب کھانے کا وقت ہوتا تھا۔ والدہ محترمہ دوسروں سے مرعوب ہو کر کسی مسلمان عورت کو کہتیں کہ تم اپنے گھر سے برتن لاؤ۔ ہم اپنے بچہ کو کھانا دینا چاہتے ہیں۔ مگر شیخ صاحب ہمیشہ کہتے کہ آپ منگوانے کی تکلیف نہ کریں۔ جہاں سے برتن آئیں گے میں وہیں سے کھانا بھی کھا لوں گا۔ اور اگر آپ نے گھر سے کھانا دینا ہے تو برتن بھی دینے پڑیں گے۔ اس پر وہ مجبور ہو جاتیں۔ اور گھر کے برتنوں کو آپ کے سامنے اچھی طرح سے صاف کر کے کھانا دیتیں اور بعض اوقات علیحدگی میں کہہ بھی دیتیں۔ کہ میں تو خود اپنے برتنوں میں ہی کھانا دینا پسند کرتی ہوں مگر لوگوں کو دکھانے کے لئے ایسا کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات آپ کا بچا ہوا کھانا بھی دوسروں سے نظر بچا کر کھا لیتیں۔ اور جس گلاس سے آپ پانی پیتے اس سے پانی بھی پی لیتیں۔ ایک دفعہ آپ کی بچی ہوئی لسی بھی بڑے شوق سے پی لی۔ اور فرمایا۔ کہ مجھے تو تمہارا جھوٹا کھانے سے بھی کوئی پرہیز نہیں۔ مگر کیا کروں دوسرے تو الگ رہے تمہارے بھائی بھی چھوت چھات کی بیماری میں گرفتار ہیں۔ اور مجھے کہتے ہیں کہ اس کے لئے برتن مسلمانوں سے منگوایا کرو۔

آپ کے سگے بھائیوں کا یہ حال تھا کہ شروع شروع میں وہ سخت چھوت چھات کی بیماری میں مبتلا تھے۔ چنانچہ جب آپ پہلی بار گھر پہنچے۔ جونہی آپ ایک چارپائی پر بیٹھے تو آپ کا چھوٹا بھائی بہادر چند فوراً نیچے اُتر گیا۔ ادب کے خیال سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ اس "ملیچھ" کے ساتھ بیٹھنے سے کہیں میں پاپی نہ بن جاؤں۔ مگر آہستہ آہستہ یہ بیماری دُور ہوتی گئی۔ اور جن ایام میں شیخ صاحب مکرم لائلپور میں بطور مبلغ متعین تھے وہ اکثر میرے پاس آتے تھے۔ اور آپ کے گھر کے برتنوں میں ہی کھانا کھا لیتے تھے۔ بلکہ سلسلے کی باتیں بھی بغور سنتے تھے۔ تقسیم ملک سے قبل تو وہ اس حد تک متاثر ہو چکے تھے۔ کہ اگر تقسیم نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ اب تک ان میں سے کوئی نہ کوئی بھائی مذہب اسلام بھی اختیار کر لیتا۔ مگر افسوس کہ تقسیم ملک کی وجہ سے ایک دوسرے سے بہت ہی دور ہو گئے اور اب شیخ صاحب کو پتہ نہیں کہ وہ کس جگہ اور کس حال میں ہیں۔ یہ سارا کنبہ جو دو صد افراد پر مشتمل تھا۔ تقسیم ملک کے وقت پانی پت کے علاقہ میں چلا گیا۔ اس وقت سے خط و کتابت بند ہے۔

ایک ناقابل فراموش بات مکرم شیخ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے خوب یاد ہے مسلمان ہونے کے چند سال بعد میرے ماموں جوالا داس صاحب نے ایک نہایت ہی

نصیحت آموز بات سُنائی۔ کہ ایک بچے نے گھر سے کئی سال باہر رہ کر مال کمایا۔ اور واپس آکر والدہ کی خدمت میں عرض کی۔ کہ جب میں بچہ تھا۔ تو آپ نے میری پرورش کی خاطر بہت تکالیف برداشت کیں۔ میں ان کے بدلہ کے طور پر آپ کی خدمت میں کچھ روپیہ پیش کرنا چاہتا ہوں چنانچہ یہ کہکر اسّی ہزار ہزار روپیہ کی دو تھیلیاں پیش کر دیں۔ والدہ نے کہا۔ بیٹا! تم میرا حق الخدمت ہرگز ادا نہیں کر سکتے۔ بیٹے نے عرض کی۔ امّی جان! کوئی ذریعہ بتائیے جس سے میں آپ کا حق الخدمت ادا کر کے سبکدوش ہو سکوں۔ والدہ نے کہا بیٹا! رات کو بتاؤں گی چنانچہ جب رات ہوئی تو کہا کہ بیٹا! آج تم میرے پاس ایک ہی چارپائی پر سو رہو۔ فرمانبردار بیٹے نے حکم کی تعمیل کی جب وہ سو گیا تو والدہ نے عرق گلاب کی ایک بوتل چارپائی پر انڈیل دی جب بیٹے کے کپڑوں کو پانی لگا تو اس کی نیند اچاٹ ہو گئی۔ اور اس نے سمجھا۔ کہ والدہ بوڑھی ہے بوجہ ضعف مثانہ پیشاب نکل گیا ہے۔ برہم ہو کر فوراً بولا۔ کہ امّاں! جب آپ کو علم تھا کہ آپ کا پیشاب چارپائی پر ہی نکل جاتا ہے۔ تو مجھے اپنے ساتھ کیوں سلایا۔ میری نیند برباد کی۔ اور کپڑوں کو بھی ناپاک کیا۔ والدہ نے کہا بیٹا! یہ پیشاب نہیں تھا بلکہ گلاب کا عرق تھا جس سے تم اتنا سیخ پا ہوئے ہو۔ کیا تم بھول گئے کہ میں نے نو ماہ تمہیں اپنے پیٹ میں رکھا۔ میرے خون سے تمہاری پرورش ہوئی۔ پھر کئی سال تمہیں اپنے ساتھ سُلاتی رہی۔ اور سینکڑوں مرتبہ تمہارے پیشاب اور پاخانے سے میرے کپڑے خراب ہوئے۔ اگر تمہیں ذرا تکلیف ہوتی یا بیماری آتی تو میں تمہاری خاطر راتوں کی نیند حرام کر دیتی آج صرف ایک مرتبہ پیشاب بھی نہیں گلاب کا عرق تمہارے کپڑوں کو لگا تو تم سیخ پا ہو گئے بتاؤ تم میرا حق الخدمت ادا کر سکتے ہو؟ غرض ان کی اس بات کا مجھ پر اس قدر گہرا اثر ہوا کہ اگر میں دین حق کو قبول نہ کر چکا ہوتا۔ اور کسی دنیوی کاروبار کے لئے گھر سے باہر گیا ہوتا۔ تو یقیناً اپنا ارادہ ترک کر کے اپنی والدہ کی خدمت میں مصروف ہو جاتا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ان کی زندگی میں ناموافق حالات کی وجہ سے کوئی خدمت نہیں کر سکا۔ البتہ مجھے خوشی ہے کہ میں آپ کی بیماری کے ایام میں ان کی عیادت کے لئے ان کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اور وفات کی اطلاع بھی مجھے بہت جلد مل گئی تھی۔ اور ایک دو روز بعد ہی میں گھر پہنچ گیا۔ اور بھائیوں کے ساتھ رنج بٹانے میں شریک ہو گیا تھا۔

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے اپنی سوانح میں ذکر کیا ہے کہ میرے چھوٹے بھائی کو میرے پاس لایا گیا تا اس کی شدید محبت کے باعث میں واپس جانے کو تیار ہو جاؤں اسی طرح آپ کے ایک ہوشیار چچا نے اسلام کی رُو سے والدین کی اطاعت کی اہمیت پر زور

آپ فرماتے تھے کہ سب بارِیک جال تھے۔ جن کے ذریعہ مجھے ورغلانے کی کوشش کی گئی۔ اور اللہ تعالےٰ نے اپنے خاص فضل سے مامون و مصئون رکھا۔ ایسے ہی حملے محترم شیخ صاحب پر کئے گئے گویا دقیق تدابیر اور عمیق تجاویز سے آپ کو پھانسنے کی کوشش کی گئی تا کسی طرح دل پر اثر ہو لیکن "جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے"۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔

ایک ایمان افروز واقعہ

آپ کے گاؤں میں ایک مشہور و معروف اور با اثر مولوی مولا بخش صاحب تھے۔ وہ مولوی عالم وغیرہ کے امتحانات کی بھی تیاری کرواتے تھے اور مسجد میں بچوں۔ بڑوں اور بوڑھوں کو قرآن کریم پڑھانے کا بھی انہوں نے معقول انتظام کر رکھا تھا۔ نمازی بھی کافی تعداد میں جمع ہو جایا کرتے تھے۔ آپ جب مسلمان ہونے کے ڈیڑھ سال بعد پہلی مرتبہ اپنے گاؤں میں گئے۔ تو مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں پہنچے۔ اس وقت نماز با جماعت ہو رہی تھی۔ آپ نے نماز الگ شروع کر دی۔ بعد نماز لوگوں نے آپ کو اکیلا نماز پڑھتے دیکھ کر بُرا محسوس کیا۔ اور آپ کے آس پاس کافی تعداد میں جمع ہو گئے اور جماعت میں شامل نہ ہونے اور نماز الگ پڑھنے کا سبب دریافت کیا۔ آپ اس سوال کا جواب دینے کے لئے پہلے سے تیار نہ تھے۔ اور آپ کی دینی تعلیم بھی بہت کم تھی۔ اس لئے آپ حیران تھے کہ کیا جواب دیں۔ یک دم اللہ تعالےٰ نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ جاری کئے کہ میری نماز تمہارے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے کہا۔ کیوں؟ آپ نے کہا اس لئے کہ مجھے قرآن کریم آتا ہے۔ اور تمہیں نہیں آتا۔ وہ یہ جواب سُنکر بہت متعجب ہوئے۔ اتنے میں مولوی صاحب بھی تشریف لے آئے۔ لوگوں نے بتایا کہ ہمارے سوال کا اس لڑکے نے یہ جواب دیا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا۔ کیوں لڑکے! کیا مجھ سے بھی تم کو قرآن کریم کا علم زیادہ ہے؟ آپ نے کہا بیشک! فرمانے لگے کیا میں تمہارا امتحان لے سکتا ہوں۔ آپ نے کہا جہاں سے مرضی ہو پوچھ لیں۔ اس پر انہوں نے نصرت الٰہی سے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی جو کہ مدرسہ کی ہفتہ واری تقاریر میں وفات عیسےٰ و صداقت مسیح موعودؑ کے تعلق میں آپ کو یاد ہو چکی تھی۔ کہ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ ۔ آپ نے اس کا فوراً صحیح صحیح ترجمہ سُنا دیا۔ جس سے وہ نہایت درجہ حیرت زدہ ہوئے۔ اور لوگوں کو کہا کہ "مرزائیوں کے پاس پتہ نہیں کیا جنتر منتر ہے۔ یہ لڑکا کل یہاں سے گیا ہے اور آج قرآن کریم کا عالم بن کر ہمارے پاس آیا ہے۔ میں نے اس کے سامنے مشکل ترین آیت پیش کی۔ اور مجھے یقین تھا کہ ہرگز اس کا ترجمہ نہیں کر سکے گا۔ لیکن اس نے بالکل

صحیح صحیح ترجمہ سُنا کر مجھے حیران کر دیا ہے۔ پھر کہنے لگے کہ اس کو اجازت ہے جب چاہے مسجد میں آ کر الگ نماز پڑھے کوئی مزاحم نہ ہو۔ اس طرح اللہ تعالےٰ نے معجزانہ رنگ میں نصرت فرمائی اور وہ مبہوت رہ گئے اور مزید سوال کرنے کی ان کو جرأت نہ ہوئی۔

۱۹۲۸ء کے درس قرآن میں حصولِ انعام

سیدنا حضرت صاحب نے ۸ راگست ۱۹۲۸ء کو مسجد اقصیٰ میں درس قرآن مجید شروع کیا جو ایک ماہ تک جاری رہا۔ بہت سے معززین وکلاء۔ گریجوئیٹ وغیرہ اس میں شمولیت کے لئے آئے۔ مرکز کی طرف سے ان کے قیام و طعام کا انتظام تھا۔ قریباً نصف ہزار افراد درس سنتے تھے اور حضور متواتر گھنٹوں اور بعض دفعہ دن میں دو بار درس دے کر کئی پاروں کی تفسیر بیان کرتے تھے جو معارف و دقائق سے لبریز ہوتی تھی۔ وہ احباب جنہوں نے رجسٹر میں نام لکھوائے تھے ان کو مستملین کا نام دیا گیا تھا۔ ان کو حضور کے قریب جگہ دی جاتی تھی۔ اور درس سے قبل حضور سوالات لکھوا کر ان کا تحریری امتحان لیتے اور اگلے روز ان کا نتیجہ سُنایا جاتا۔ اس طرح ان احباب کو تفسیر کو حافظہ میں محفوظ کرنے کا موقعہ ملتا۔ حضور نے ۶ ستمبر کو دار المسیح میں اپنی طرف سے ان سب کو دعوتِ طعام دی۔ اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور افراد خاندان کھانا کھلانے والے تھے۔ اور ۷ ستمبر کو حضور سمیت ان کا فوٹو لیا گیا اور ۸ ستمبر کو حضور نے سورہ کہف کے آخری حصہ کا درس دیا۔ اور یہ ذکر فرما کر کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں جبکہ قرآن مجید نازل ہوتا تھا۔ صدقہ کرتے تھے۔ آپ نے بھی صدقہ دیا اور احباب کو بھی اس کی تحریک کی۔ اور اپنے دستِ مبارک سے ان پانچ افراد کو نظارت تعلیم و تربیت کی طرف سے انعامات عطا فرمائے جنہوں نے سب امتحانات میں اعلیٰ نمبر حاصل کئے تھے۔ ان انعام حاصل کرنے والوں میں "شیخ عبد القادر صاحب طالب علم مدرسہ احمدیہ قادیان" بھی شامل تھے۔[1]

حضرت شیخ عبد الرب اور ان کی فرزندی میں آنا خاص فضلِ رب

حضرت شیخ عبد الرب صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ محترم شیخ محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم و محترم شیخ مولا بخش صاحب مرحوم مالکان کالونی فلور ملز لائل پور کے زیر اثر ۱۹۰۹ء میں ہندو مت ترک کر کے اسلام و احمدیت قبول کر چکے تھے۔ ایک نہایت عابد۔ زاہد، امین، سلسلہ کے لئے غیور اور فدائی تھے (جن کا الگ تذکرہ آئے گا انشاء اللہ تعالےٰ) آپ تمام اہم امور میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کی خدمت میں حاضر ہو کو ہدایت و

[1] درس کے دوران میں دو دفعہ کامیاب ہونے کا ذکر زیر "مدینۃ المسیح" الفضل ۲۴ ش ۲۸ و ۲۸ ش ۲۸ میں بھی موجود ہے۔

مشورہ حاصل کرتے تھے جب آپ کی دوسری صاحبزادی محترمہ سلیمہ بیگم صاحبہ جوان ہوئیں۔ تو آپ اس موقعہ پر بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہُ اللہ تعالےٰ کی خدمت میں مشورہ و ہدایت کے لئے حاضر ہوئے۔ حضور نے ازراہِ نوازش مکرم شیخ عبدالقادر صاحب کا نام تجویز فرمایا۔ شیخ عبدالرب صاحبؓ محترم نے فوراً اٰمنّا وَ صَدَّقنا کہا۔ حالانکہ شیخ عبدالقادر صاحب اس زمانہ میں جامعہ احمدیہ کے طالب علم تھے۔ اور دونوں ایک دوسرے سے ناواقف تھے۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر جب اپنی صاحبزادی کا میرے ساتھ رشتہ کرنا منظور کر چکے۔ تو بعد میں شیخ عبدالقادر صاحب کو دیکھنے کے لئے بورڈنگ ہاؤس میں تشریف لائے اور ان کو الگ بلا کر فرمایا۔ کہ میرا نام عبدالربّ ہے میں لائل پور میں رہتا ہوں۔ حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ تعالےٰ کی خدمت میں اپنی لڑکی کے لئے رشتہ تلاش کرنے کی درخواست کرنے آیا تھا۔ حضور نے آپ کا نام لیا ہے۔ اور میں نے اسے منظور کر لیا ہے۔ شیخ صاحب نے کہا کہ میں تو جامعہ احمدیہ کا ایک طالب علم ہوں۔ روپیہ پیسہ میرے پاس نہیں۔ نہایت مشکل سے گذر اوقات کرتا ہوں۔ میں اس حالت میں شادی کیسے کر سکتا ہوں؟ فرمانے لگے۔ روپیہ پیسہ اللہ تعالےٰ نے مجھے کافی دے رکھا ہے۔ جب تک آپ اپنے پیر پر نہیں کھڑے ہونگے انشاءاللہ آپ کا سارا خرچ برداشت کرونگا۔ آپ اس بارہ میں بالکل فکر نہ کریں۔ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے آپ کا نام لیا ہے۔ اور میں حضور کے ارشادات پر لبیک کہنا جزوِ ایمان سمجھتا ہوں۔ مکرم شیخ عبدالقادر صاحب نے جب ان کے اس عزم و رفدائیت کو دیکھا تو عرض کی کہ بہت اچھا۔ اگر آپ ان حالات میں مجھے رشتہ دینے کے لئے تیار ہیں تو مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ فرمانے لگے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہُ اللہ کی تجویز ہے اللہ تعالےٰ اس میں بہت برکت ڈالے گا۔ خیر نکاح ہو گیا۔ ابھی انہوں نے مولوی فاضل پاس ہی کیا تھا کہ حضرت شیخ صاحبؓ نے رخصتانہ کے لئے ارشاد فرمایا۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ جہیز وغیرہ بالکل تیار ہے۔ آپ کے ذمہ ذرہ بھر بھی بوجھ نہیں ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے کرایہ وغیرہ کے لئے کافی رقم بذریعہ منی آرڈر بھیج دی۔ اور شیخ صاحب تاریخ مقررہ پر حضرت استاذنا المکرم مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؓ پروفیسر جامعہ احمدیہ اور حضرت استاذنا المکرم مولانا عبدالرحمٰن صاحب جٹ (حال امیر جماعت احمدیہ قادیان) کو ساتھ لے کر لائل پور پہنچ گئے۔ جہاں اسٹیشن پر ساری جماعت استقبال کے لئے موجود تھی۔ کئی ٹانگوں پر ایک جلوس کی شکل میں بارات شیخ صاحب محترم کے گھر پہنچی۔ جو کالونی فلور ملز کے احاطہ کے اندر ہی تھا۔ اور اس طرح سے شادی کی یہ تقریب انجام کو پہنچی۔ حضرت شیخ صاحبؓ نے اپنے قول کے مطابق چار پانچ سال اس نئے جوڑے کے خرچ کا کثیر

حصہ بشاشتِ قلب سے برداشت کئے رکھا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

آپ کو اللہ تعالےٰ نے ذیل کی اولاد عطا کی :۔

۱۔ عبدالماجد۔ ادیب فاضل اور ایف۔ اے۔ ملازم محکمہ بجلی۔

۲۔ عبدالواحد۔ ایف۔ ایس سی۔ بطور سٹینو ملازم پنجاب یونیورسٹی۔

۳۔ عائشہ صدیقہ اہلیہ خالد ہدایت صاحب بھٹی بی۔ اے مینیجر نیشنل بنک شاخ ٹاؤن ہال لاہور۔ موصوفہ نے میٹرک میں وظیفہ حاصل کیا تھا۔

۴۔ عبدالہادی۔ واقف زندگی۔ طالب علم مغلپورہ انجنیرنگ کالج لاہور

۵ تا ۷۔ مریم صدیقہ۔ عبدالشکور و عبدالمالک تینوں طالب علم۔

۸۔ طاہرہ۔ سوا دو سال کی بچی۔

اللہ تعالےٰ ان سب کو صالح اور قرۃ العین بنائے۔ آپ کا ایک بچہ باہر ملازم تھا۔ آپ اس کی ملاقات کے لئے جا رہے تھے کہ ایک نظارہ میں دیکھا کہ اگر یہ بچہ باقاعدگی سے نمازیں ادا کرے اور پھل استعمال کرے تو بیماری کی بلا ٹل جائے گی۔ اس وقت عزیز نے نماز والے حصہ پر عمل نہ کیا اور شدید بیمار ہو کر کئی ماہ تک بیمار رہا۔ اللہ تعالےٰ کی توفیق سے اس نے توبہ کی۔ اور پھر نہ صرف نمازوں میں باقاعدگی اختیار کی بلکہ وصیت بھی کر دی۔ اور صحت بھی اچھی ہوگئی ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ اند
زیرِ آں گنجِ کرم بنہادہ اند

مبلّغین جماعت میں داخلہ اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؓ کے کچھ حالات

محترم اخویم شیخ عبدالقادر صاحب بیان کرتے ہیں کہ :۔

میں نے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا تو چونکہ میں نے اپنی زندگی کا مقصد ہی خدمتِ احمدیت قرار دے رکھا تھا۔ اس لئے مولوی فاضل پاس کرنے کے بعد میں نے فوراً جماعت مبلّغین میں داخلہ لے لیا۔ اور تبلیغ کی ٹریننگ حاصل کرنا شروع کر دی۔ اللہ اللہ! وہ زمانہ بھی کیا خوب تھا۔ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ پرنسپل تھے۔ اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؓ فاضل حلال پور اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ فاضل جیسے بزرگ ہمارے پروفیسر تھے۔ ایسی ہمدردی و محبت اور خیر خواہی کے ساتھ یہ بزرگ ہمیں پڑھایا کرتے تھے۔ کہ انہیں کبھی نہیں بھول سکتے۔ خاص طور پر حضرت میر صاحبؓ جو ہماری کلاس کے انچارج تھے۔ ہماری روحانی اور جسمانی تربیت میں اس قدر کوشاں رہتے تھے۔ کہ دیکھنے والے حیران تھے کالج

کے اوقات میں آپ ہمیں اسلام، احمدیت اور دیگر مذاہب کے متعلق نہایت ہی قیمتی مضامین لکھواتے۔ ان مضامین پر تقاریر کرواتے بعض مضامین پر جماعت کے ممتاز بزرگوں کی موجودگی میں مقابلے کرواتے۔ اور بہترین مقررین کو انعام عطا فرماتے۔ ہفتہ میں کم از کم ایک بار مغرب کی نماز کے بعد مہمان خانہ میں جس کے آپ انچارج تھے۔ اپنی نگرانی میں تقریریں کرواتے۔ اور پھر ان تقاریر پر اپنے مخصوص عالمانہ انداز میں تبصرہ فرماتے۔ وہ لوگ جنہوں نے حضرت میر صاحبؓ کی تقاریر اور درسوں کو سنا ہے وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو تقریر کرنے کا ایک خاص ملکہ عطا کر رکھا تھا۔ آپ ایسی پُر مغز اور دلکش اور دل نشین تقریر فرماتے تھے کہ اکثر سامعین کو آپ کے دلائل موقعہ پر ہی یاد ہو جاتے تھے۔ مسجد اقصےٰ میں آپ بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ واقعات کو آپ ایسی عمدگی کے ساتھ بیان فرماتے تھے کہ ہر شخص یوں محسوس کرتا تھا کہ گویا وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا ہوا ہے۔ اور یہ واقعات آج ہی اس کی آنکھوں کے سامنے ہو رہے ہیں۔ جہاں جہاں تاریخی مقامات کا ذکر آتا تھا ان کا پورا نقشہ سامعین کی آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ اور اس محبت اور عشق کے ساتھ آپؐ کا ذکر فرماتے تھے۔ کہ اکثر سامعین کی چیخیں نکل جاتی تھیں۔ کثرتِ تلاوت کی وجہ سے قرآن کریم آپ کو اس قدر یاد تھا کہ مجھے خوب یاد ہے۔ طالب علمی کے زمانے میں کئی دفعہ رمضان کے مبارک مہینہ میں خاکسار کو آپ کے مکان پر جانے کا اتفاق ہوا۔ آپ اپنی بیٹھک میں مستورات کے لئے تراویح میں قرآن کریم سننے کا انتظام فرماتے تھے۔ اور آپ چند احباب کے ساتھ باہر کھڑے ہوتے تھے۔ عموماً حافظ محمد سلیم صاحب اٹاوی قرآن کریم سنایا کرتے تھے۔ جب کہیں حافظ صاحب بھولتے آپ بلاتکلف ان کو لقمہ دیتے اور بعض اوقات تو دس دس بارہ بارہ آیات پڑھ کر ان کی راہ نمائی فرماتے۔

استاذی المکرم حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؓ فاضل جو مولوی فاضل اور منشی فاضل ہونے کی وجہ سے ڈبل فاضل کہلاتے تھے۔ ان کی شخصیت بھی خاص کشش رکھتی تھی۔ آپ غالباً حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے سلمہ الرحمٰن اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کے بھی استاد تھے۔ حضرت میر صاحبؓ آپ کو حضرت شیخ الکل کے خطاب سے نوازا کرتے تھے۔ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابیں اس قدر یاد تھیں۔ کہ کوئی حوالہ دریافت کرنے پر اکثر صفحہ اور سطر تک بتا دیا کرتے تھے۔ ان کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کے ساتھ عشق کی وجہ سے حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

انہیں خاص قدر کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ الرحمٰن اور حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ بھی ان پر خاص نگاہِ لطف رکھتے تھے۔ اور عزت و تکریم سے پیش آتے تھے۔ اس عاجز پر تو وہ اس قدر مہربان تھے کہ ان کے پرانے شاگرد ان کا میرے ساتھ محسنانہ اور مربیانہ سلوک دیکھکر رشک کیا کرتے تھے۔ ریٹائر ہونے کے بعد آپ کا عام معمول یہ تھا کہ صبح ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر پہلے میرے مکان پر محلہ دار الرحمت میں تشریف لاتے پھر حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کے ہاں تشریف لے جاتے اور پھر شہر میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور وہاں حضرت صاحبزادہ صاحب کے ساتھ علمی مذاکرات میں کئی کئی گھنٹے صرف کرتے تھے۔

آپ نے مزاج بھی نہایت ہی لطیف پایا تھا۔ ایک دفعہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ازراہِ شفقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب "آئینہ کمالاتِ اسلام" میرے ہاتھ میں دے کر فرمایا۔ کیا یہ کتاب آپ کے پاس ہے؟ میں نے عرض کی۔ جناب! میرے پاس یہ کتاب ہے۔ فرمایا۔ ہرگز نہیں! میں نے عرض کی۔ یقیناً ہے۔ فرمایا۔ اچھا یہ کتاب آپ اپنے ساتھ لے جائیں۔ اور کل جب میں آپ کے گھر میں آؤں تو مجھے اپنی کتاب دکھانا۔ میں نے کہا۔ بہت اچھا۔ دوسرے روز جب آپ حسب معمول میرے غریب خانہ پر تشریف لائے۔ تو میں نے اپنی کتاب پیش کر دی۔ فرمایا۔ دونوں کتابوں کا سرورق دیکھو۔ میں نے جو کتاب آپ کو دی ہے یہ طبع اوّل ہے اب بتائیں۔ کیا آپ کے پاس اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ہے؟ یہ سُنکر میں بہت شرمندہ ہوا اور حضرت مولوی صاحب مسکرائے۔

آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کے ساتھ عشق کا اس امر سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے اپنی ذاتی لائبریری میں حضور کی کتابوں کے تین سیٹ رکھے ہوئے تھے ایک سیٹ خالص پہلے ایڈیشن پر مشتمل تھا۔ اسے آپ روزمرّہ کے استعمال میں نہیں لاتے تھے بلکہ اسے بڑی ہی احتیاط کے ساتھ رکھتے تھے۔ قرآن مجید کے ساتھ آپ کو اس قدر عشق تھا کہ ایک پارہ کی روزانہ تلاوت فرماتے تھے۔ کثرتِ تلاوت کی وجہ سے اکثر مقامات سے آپ کو قرآن مجید حفظ ہو گیا تھا[1]

مبلّغین کلاس میں داخلہ

جماعت مبلّغین کے آخری امتحان میں تیرہ دوستوں نے حصّہ لیا۔ جن میں سے اخویم محترم مولانا محمد سلیم صاحب فاضل (سابق مبلّغ بلادِ عربیہ حال دہلی) اخویم محترم شیخ مبارک احمد صاحب (رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ) اور محترم شیخ عبد القادر صاحب کمپارٹمنٹ میں آئے۔ باقی تمام فیل ہو گئے۔ آپ چونکہ صرف انگریزی میں

[1] محترم شیخ صاحب کی تصانیف اور تذکرہ کی تالیف کے متعلق بھی حضرت مولوی صاحبؓ کا مزید ذکر آگے آتا ہے۔

فیل تھے۔ اس لئے ناظر صاحب تعلیم و تربیت حضرت صاحبزادہ مرزا البشیر احمد صاحب سلمہ الرحمٰن نے آپ سے فرمایا کہ آپ اگر چاہیں تو اس وعدہ پر ہم پاس کر دیتے ہیں کہ آپ جلدی ہی انگریزی میں میٹرک کا امتحان پاس کر لیں گے۔ آپ نے عرض کیا کہ حضور مجھے بھی دوسروں کے ساتھ ہی رہنے دیجئے۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۳۳ء میں تینوں نے اپنے اپنے مضامین کا امتحان دے کر مکمل کامیابی حاصل کر لی۔ بفضلہ تعالیٰ آپ اس امتحان میں اول نمبر پر کامیاب ہوئے۔ اور بعد میں حضرت ناظر صاحب تعلیم کے ارشاد پر آپ نے نہ صرف انگلش میں میٹرک پاس کیا بلکہ ایف اے بھی پاس کر لیا۔

ایف۔ اے پاس کرنے کا ایک ایمان افروز واقعہ

ایف۔ اے پاس کرنے کا ایمان افروز واقعہ آپ کے الفاظ میں درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"میں نے ۱۹۳۹ء میں میٹرک پاس کیا۔ اور ۱۹۴۰ء میں ایف۔ اے انگلش۔ میرا ارادہ تھا کہ میں ایف۔ اے کا امتحان ۱۹۴۱ء میں دونگا۔ لیکن میرے ایک نہایت ہی عزیز دوست نے جو خود بھی اس سال ایف۔ اے انگلش کا امتحان دینا چاہتے تھے۔ مجھے مجبور کیا کہ آپ بھی ضرور اسی سال امتحان دیں۔ غالباً نصف جنوری بھی گذر چکا تھا جب ان کے مجبور کرنے پر میں نے کتابیں خریدلیں۔ امتحان تک بمشکل نظم کی کتاب پڑھ سکا۔ اس سال امتحان کے پرچے اس قدر مشکل تھے۔ کہ میں ایک پرچہ کے اکثر سوالات کو بھی نہیں سمجھ سکا۔ اور جب یہ پرچہ ہمیں دیا گیا۔ تو کالجوں کے باقاعدہ طلباء بھی صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ پروفیسر صاحبان نے کہا کہ یہ پرچہ بی۔ اے کے طالب علم بھی حل نہیں کر سکتے امتحان کے چند روز بعد میں نے خواب دیکھا۔ کہ میں کراچی میں ہوں۔ وہاں ایک نہایت ہی صاف شفاف سڑک پر ایک جھولا نصب کیا گیا ہے اور میں نے اور میرے اس عزیز دوست نے جھولے پر دو دو چکر کاٹنے ہیں۔ جھولے کا چکر نیچے سے اوپر کی طرف چلتا ہے میں نے پہلا چکر تو بصد مشکل لگا لیا لیکن دوسرے چکر میں ابھی میرے پاؤں زمین سے ایک ہی فٹ اونچے ہوئے ہونگے۔ کہ ہاتھ چھوٹ گئے اور میں نیچے آگرا۔ مگر چوٹ وغیرہ کوئی نہیں آئی۔ لیکن میرا ساتھی پہلے ہی چکر میں جب اوپر کی بلندی پر پہنچا تو اس کا ہاتھ چھوٹ گیا اور اس قدر زور سے گرا کہ اسے اپنے تن من کی ہوش نہ رہی۔ فوراً لوگ اکٹھے ہو گئے ایک انگریز ڈاکٹر بلایا گیا۔ میں نے خواب ہی میں کہا کہ یہ ڈاکٹر سول سرجن کے عہدہ پر اپنی ملازمت کے لحاظ سے پہنچا ہے لیکن ذہین نہیں اس لئے یہ میرے عزیز دوست کا علاج کامیابی کے ساتھ علاج نہیں کر سکیگا۔ اس خواب سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ میں دوسرے پرچہ میں فیل

ہو جاؤں گا۔ اور میرا ساتھی فیل بھی ہو جائے گا اور ممکن ہے کہ فوت بھی ہو جائے۔ میں چونکہ اس سنت الٰہی سے واقف تھا۔ کہ قبل از وقت جو باتیں خواب وغیرہ میں بتائی جاتی ہیں۔ وہ انذاری ہونے کی صورت میں ٹل بھی جاتی ہیں اس لئے میں نے خوب دعائیں کیں۔ اور استغفار کیا اور صدقہ و خیرات سے تقدیر الٰہی کو ٹالنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ایسا ہوا۔ کہ میں تو کامیاب ہو گیا۔ لیکن میرا دوست فیل بھی ہو گیا اور فوت بھی ہو گیا۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

میدانِ عمل۔ بعدہٗ کراچی میں متعین ہونا

۱۹۳۴ء میں اخویم شیخ مبارک احمد صاحب (حال رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ) اور اخویم شیخ عبدالقادر صاحب نے مسلسل تین چار ماہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کے ساتھ لائلپور میں رہ کر تبلیغی میدان میں عملی تربیت حاصل کی۔ اس کے بعد آپ کراچی متعین ہوئے۔ پھر لائلپور مرکز (جس میں اس کے علاوہ اضلاع شیخوپورہ۔ سرگودھا اور جھنگ بھی شامل تھے) کے آپ انچارج مبلغ مقرر ہوئے۔ پھر نظارت تالیف و تصنیف میں۔ بعدہٗ لاہور میں۔ پھر چند ماہ سرگودھا میں۔ پھر مرکز ربوہ میں بعد ازاں شیخوپورہ اور اب لاہور میں (جہاں سے پہلے نصف ماہ کے لئے اور اب دس دن کے لئے شیخوپورہ جاتے ہیں) متعین ہوئے ہیں[۱]

[۱] آپ کے کچھ تبلیغی جہاد کے متعلقہ عرصہ کی سالانہ رپورٹ ہائے صدر انجمن احمدیہ سے خلاصہ کرکے درج ہے:۔

سال	مناظرے	تقاریر	انفرادی تبلیغ	دورہ مقامات	نومبائعین	صفحہ رپورٹ
۱۹۳۵-۳۶ء	ایک	پچھتر	چھ صد سات افراد	پچاس	آٹھ	(۱۰،۸)
۱۹۳۶-۳۷ء	ایک	نوے	سات صد افراد	ترسیٹھ	چھ	(۲۹۵،۵)
(حضور کے ایماء سے خاص کام کے لئے کراچی میں متعین ہوئے۔ ویسے حضور کا منشاء تھا اردو ترجمہ قرآن مجید کی تیاری کا کام آپ سے لیا جائے)						
۱۹۴۰-۴۱ء (مرکز میں رکھا گیا)	چار	اٹھانوے (تین مضامین اور ایکصد بیس خطوط لکھے)	دو صد دس افراد	بیس (دو ہزار میل کا سفر)	دو	(۱۳)
۱۹۴۱-۴۲ء اضلاع لائلپور جھنگ	تین	پندرہ	تین صد افراد	تینتیس (اڑھائی ہزار میل)	دس	(۹)
شیخوپورہ۔ سرگودھا تقسیم ساڑھے چھ ہزار ٹریکٹ۔ ان میں سے چار ہزار لائلپور میں چھپوائے۔						
۱۹۴۲-۴۳ء	ایک	ایک صد اسی (سوا دو صد درس)	چار صد افراد	پچھتر (۱½ ہزار میل)	دس	(۱۳)

آپ کے کراچی میں متعین ہونے سے قبل کوئی مبلّغ باقاعدگی سے زیادہ عرصہ تک وہاں متعین نہیں رہا تھا۔ نہ کوئی دار التبلیغ قائم تھا۔ آپ کے جانے پر احباب جماعت نے ایک معمولی سا مکان حلقہ رام سوامی میں غالبًا بارہ روپے ماہوار پر لے رکھا تھا۔ آپ کی تحریک پر احباب نے ریلوے سٹیشن کراچی کے نزدیک چیمبر آف کامرس اور سندھ مدرسہ کے بالمقابل ایک عمدہ مکان ۳۵ روپے ماہوار کرایہ پر لیا۔ بیس روپے احباب جماعت اور پندرہ روپے مکرم شیخ صاحب دیتے تھے۔ دوسری منزل کی چار کمرے مسجد، مہمان خانہ وغیرہ کے اغراض کے لئے اور پانچواں کمرہ تیسری منزل پر آپ کی رہائش کے لئے تھا[1]

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی کراچی میں پہلی دفعہ تشریف آوری

آپ کے تقرر کے بعد حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جب پہلی دفعہ کراچی تشریف لے گئے تو حضور نے ازراہِ نوازش شیخ صاحب والے کمرہ کو ہی اپنے قیام کے لئے پسند فرمایا۔ ایسا ہی نواب چوہدری محمد الدین صاحبؓ جوان ایام میں ریاست جودھ پور میں وزیر مال تھے۔ اور کراچی میں اکثر رائل ہوٹل میں ٹھہرا کرتے تھے شیخ صاحب کی درخواست پر انہوں نے بھی ایک دفعہ چند یوم کے لئے انجمن میں ہی رہنا منظور فرما لیا تھا

[1] آپ کے کراچی میں متعین ہونے اور جماعت کی طرف سے مکان برائے دار التبلیغ کرایہ پر لینے کا ذکر سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ بابت ۳۹-۱۹۳۸ء میں موجود ہے۔ (صفحہ ۴۴ و ۴۹)

<u>بقیہ حاشیہ</u> :۔ نوٹ :۔ آٹھ مضامین الفضل اور فرقان میں شائع ہوئے۔

سال	مناظرے	تقاریر	انفرادی تبلیغ	دورہ مقامات	نومبایعین	صفحہ رپورٹ
۱۹۴۴-۴۵ء	دو	ڈیڑھ صد	دو صد افراد	چوالیس	چار	(۹۵)
			(دو صد ایکڑ رس)	(سوا ہزار میل)		

قبول اسلام کے پہلے یا دوسرے سال جبکہ آپ احمدیہ مدرسہ کی تیسری یا چوتھی جماعت میں تعلیم پارہے تھے اور اس وقت کثرت سے دعائیں کرتے تھے۔ آپ نے خواب دیکھا کہ ریلوے لائن پر اڑتے ہوئے کراچی پہنچے ہیں اور پھر بغداد وغیرہ بھی گئے ہیں۔ اور ایک دفعہ دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بہشتی مقبرہ کے ملحق باغ میں کھڑے ہیں اور کسی دور دراز سفر سے واپس آئے ہیں آپ نے درخواست کی کہ حضور کی جرابیں جو بوجہ سفر پسینے اور گرد سے میلی ہو چکی ہیں دھو دیں۔ چنانچہ حضور نے باری باری پاؤں آگے کر دیئے اور آپ نے جرابیں اتار کر دھو کر اور سکھا کر پیش کر دیں۔ گویا بتایا گیا تھا کہ آپکو تبلیغ اسلام کے لئے سفر کرنے پڑینگے کراچی میں بھی آپ متعین ہوئے۔ خاکسار مؤلف کے نزدیک بغداد والی بات یوں پوری ہو چکی کہ پہلے مراکز اسلامیہ کے بعد بغداد نیا مرکز بنا تھا سو بتایا گیا تھا کہ جب نیا مرکز بنے گا تو اس میں بھی آپکو کام کرنیکا موقعہ ملیگا۔ سو ربوہ میں یہ موقعہ ملا بلکہ مکان بنانیکا بھی۔

گویا موقعہ اور مکانیت کے لحاظ سے وہ ایک بہترین جگہ تھی۔

ایک قابل عبرت مگر سبق آموز واقعہ

حضور ابھی کراچی میں نہیں پہنچے تھے کہ بعض لوگوں کو کسی ذریعہ سے حضور کے تشریف لانے کا قبل از وقت علم ہو گیا۔ ان ایام میں وہاں ایک شخص محمد سلیم باہر سے ایک مقامی حکیم کے پاس آکر بطور مہمان ٹھہرا ہوا تھا۔ بڑا چرب زبان اور چالاک انسان تھا اس نے وہاں کے ایک مقامی اخبار "نقیب" میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو مناظرہ کا چیلنج دے دیا۔ شیخ صاحب مع احمدی احباب اس کے پاس پہنچے اور اسے کہا کہ پہلے آپ حضور کے غلاموں کے ساتھ بحث کر لیں۔ اگر آپ غلاموں سے جیت گئے تو پھر آقا سے بھی نپٹ لینا۔ کہنے لگا بہت اچھا اسے تاریخ دے کر کہا گیا کہ اس تاریخ کو آپ انجمن احمدیہ میں اپنے مہمان نواز حکیم صاحب کے ساتھ تشریف لے آئیں۔ ماحضر بھی وہیں تناول فرمائیں اور بحث بھی کر لیں۔ چنانچہ اس روز بعد طعام بحث شروع ہوئی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت ثابت کرنے کے لئے بطور دلیل قرآن کریم کی آیت فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ پیش کر کے کہا گیا کہ اگر مدعی ماموریت کی پہلی زندگی پاک اور صاف ہو۔ تو یہ اس کی سچائی کی زبردست دلیل ہوتی ہے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی پہلی زندگی بھی چونکہ ہر ایک عیب اور نقص سے پاک تھی۔ اس لئے آپ اپنے دعویٰ میں یقینًا سچے تھے۔ کہنے لگے میری عمر بھی اس وقت چالیس سال کی ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ میری پہلی زندگی بھی بالکل بے عیب اور ہر ایک داغ سے پاک تھی۔ اگر تم میں طاقت ہے تو میری پہلی زندگی پر کوئی نکتہ چینی کر کے دکھاؤ۔ اس پر جماعت نے کہا کہ بس بحث ختم سمجھئے۔ ہم لوگ چونکہ آپ کی پہلی زندگی کے واقعات سے ناواقف ہیں اور علام الغیوب اللہ تعالیٰ سے آپ کا کوئی عمل مخفی نہیں۔ اس لئے آپ کے اس دعویٰ کی تصدیق یا تکذیب وہی کر سکتا ہے ہم آپ کی اس دلیل کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ وہ بظاہر فاتحانہ رنگ میں خوش خوش اپنے گھر چلا گیا۔ اور احباب جماعت کافی دیر اس کی حماقت پر ہنستے رہے۔

خدا کی شان کہ جوں جوں دن گزرتے گئے اس کی شہرت بڑھتی گئی۔ کراچی کے ہر حصہ میں جہاں کوئی خوشی کی تقریب ہوتی یا جلسہ ہوتا۔ خواہ کسی فرقہ کا ہوتا۔ اسے ضرور بلایا جاتا۔ وہ چونکہ تقریر غضب کی کرتا تھا۔ اس لئے میمن، بوہرہ، اہل سنت والجماعت اور اثنا عشری شیعہ وغیرہ سبھی اس کو اپنی مجالس میں بلاتے تھے حتیٰ کہ ہمارے ایک احمدی پٹھان دوست نے اپنے بچہ کا عقیقہ کیا۔ مکرم شیخ صاحب بھی اس میں مدعو تھے یہ دیکھ کر آپ کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ حکیم محمد سلیم مذکور وہاں بھی موجود تھا۔

جب سارے شہر میں وہ خوب مشہور ہو گیا۔ اور اخبارات میں اس کی تقاریر کے خلاصے شائع ہونے لگے تو خدا تعالےٰ نے اس کی ذلّت کا یہ سامان کیا۔ کہ وہ حکیم صاحب جن کا یہ شخص مہمان تھا خود تو اپنے مکان پر سویا کرتے تھے۔ اور یہ شخص ان کی دکان پر رات بسر کرتا تھا۔ اور حکیم صاحب کے ایک نوعمر ملازم کے ساتھ بدکاری کیا کرتا تھا۔ اس ملازم کے والدین کو اس امر کا علم ہو گیا ایک رات اس کا والد چند اور دوستوں کے ہمراہ نصف شب کے قریب اس دکان پر پہنچا۔ دروازے پر زور سے دستک دی۔ پہلے تو یہ شخص دروازہ نہیں کھولتا تھا۔ لیکن جب بصد مشکل دروازہ کھولا تو لڑکے کو چارپائی پر چھوڑ کر خود قرآن مجید ہاتھ میں لے کر مصلّے پر بیٹھ کر تلاوت کرنے لگا۔ ان لوگوں نے قرآن مجید اس سے چھین کر ایک اونچی جگہ پر رکھ دیا اور جوتوں سے اس کی وہ مرمت کی کہ اگر وہ اب بھی دنیا کے کسی گوشہ میں زندہ ہو تو بھول نہیں سکتا۔ صبح ہوتے ہی ان لوگوں نے عدالت میں اس کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ اور جس طرح اخبارات میں اس کی تعریفیں چھپتی تھیں اس سے بڑھ کر اس کی بدکاری کے واقعات شائع ہونے لگے۔ دوسرے روز جب اخبارات میں مکرم شیخ صاحب نے یہ واقعہ پڑھا۔ تو اتفاق سے بندر روڈ پر مہمان نواز حکیم صاحب مل گئے۔ شیخ صاحب نے کہا۔ حکیم صاحب! آپ لوگ تو بحث کے لئے فرماتے تھے کہ ہماری زندگی بھی پاک ہے۔ اخبارات میں یہ کیا چھپ رہا ہے۔ حکیم صاحب کہنے لگے۔ کہ میں نے تو ایسا نہیں کہا تھا۔ حکیم محمد سلیم نے کہا تھا جس کی وہ اب سزا بھگت رہا ہے فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مکرم شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ حکیم مذکور کے اس واقعہ سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جب کسی بدگو اور مکذّب مخالف کو شہرت حاصل ہو رہی ہو تو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ اسے گرفت نہیں کرے گا۔ بلکہ یہ اس کی سنّت ہے کہ جسے وہ ذلیل کرنا چاہے۔ پہلے اسے لوگوں میں خوب مشہور کرتا ہے۔ تا لوگ یہ نہ کہہ سکیں۔ کہ معمولی شخص تھا اگر ذلیل ہو گیا تو کیا ہوا۔

حضور کی ذرّہ نوازی

حضور کے اس پہلے سفر میں ہی جماعت کراچی کو یہ خواہش تھی۔ کہ اگر حضور پسند فرمائیں تو "خالق دینا ہال" میں حضور کا ایک لیکچر کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ حضور کی خدمت میں جب یہ استدعا کی گئی تو حضور شیخ صاحب کے کمرہ کے صحن میں وضو فرما رہے تھے۔ اور شیخ صاحب پاس کھڑے تھے۔ حضور نے احبابِ جماعت کی اس درخواست کو سن کر ازراہِ ذرّہ نوازی فرمایا۔ کہ اس امر کا فیصلہ کرنا تو مقامی مبلغ کا کام ہے۔ کہ کراچی کی موجودہ فضاء میں مجھے لیکچر دینا چاہیئے یا نہیں؟ شیخ صاحب نے عرض کیا کہ حضور میرے نزدیک تو موجودہ حالات میں حضور کا کسی کھلے اجلاس میں لیکچر دینا مناسب نہیں ہے

فرمایا۔ بہت اچھا۔ پھر کبھی سہی۔

کلارنی ہوٹل میں دعوت

احباب جماعت نے معززین شہر سے تعارف کرانے کے لئے حضرت اقدس کے اعزاز میں کراچی کے مشہور ہوٹل کلارنی میں ایک ڈنر کا انتظام کیا ہوا تھا۔ چالیس غیر احمدی معززین مدعو تھے جن میں کراچی کے میئر مسٹر حاتم علوی، سر عبد اللہ ہارون اور مسٹر حویلی والا جج چیف کورٹ بھی شامل تھے۔ حضور ایدہ اللہ نے کھانا تناول فرمانے کے بعد ایک مختصر سی تقریر کی۔ جس میں فرمایا کہ گو ایسے مواقع پر تقریر کا رواج نہیں۔ مگر ہم لوگ ان رواجوں کے پابند نہیں۔ ہم اسلامی تہذیب کو دنیا میں رائج کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد حضور نے اپنے سفر یورپ کے حالات سنائے۔ جس میں مسولینی سے ملاقات کا واقعہ بھی سنایا۔ حضور کی یہ تقریر انہی ایام میں مکرم شیخ صاحب نے الفضل میں شائع کروا دی تھی۔ مدعوین میں وہ غیر احمدی دوست بھی شامل تھے جن سے انجمن والا مکان کرایہ پر لیا ہوا تھا۔ اور وہ بالکل شیخ صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جس وقت حضور تقریر فرما رہے تھے انہوں نے نہایت ہی خلوص بھرے انداز سے آہستگی سے شیخ صاحب سے کہا۔ کہ خدا کی قسم آج میں یوں محسوس کر رہا ہوں جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا ہوا حضور کے کلمات طیبات سے محظوظ ہو رہا ہوں۔ حضور کی اس مجلس کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ وہ بعد میں حضور کا ہمیشہ مدّاح رہا۔ اور جب تک شیخ صاحب وہاں رہے۔ دو روپے ماہوار چندہ بھی ادا کرتے رہے۔ بعض غیر احمدی علماء وفد کی صورت میں اس کے پاس گئے اور اسے کہا کہ تم احمدیوں سے انجمن والا مکان لے لو۔ وہ تمہیں پینتالیس روپے ماہوار دیتے ہیں ہم ساٹھ روپے دینے کو تیار ہیں۔ مگر اس نے کہا کہ میں جماعت احمدیہ کو مکان دے چکا ہوں جب تک وہ خود خالی نہ کریں۔ خواہ دس برس بیٹھے رہیں میں ان سے ہرگز خالی نہیں کراؤں گا۔ اس زمانہ میں کراچی میں بہت تھوڑی سی جماعت تھی۔ اور مرکز سے بھی کوئی امداد نہیں ملتی تھی۔ جماعت بڑی مشکل سے کرایہ مہیا کرتی تھی۔ ایک دفعہ تو یہ حالت ہو گئی کہ جماعت نے کرایہ زیادہ ہونے کی وجہ سے اس مکان کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ اور جب جماعت کے دوست مالک مکان کو اس بات کی اطلاع دینے گئے کہ اس ماہ کی تیس تاریخ کو ہم مکان خالی کر رہے ہیں تو وہ فوراً بھانپ گیا اور اس نے کہا شاید آپ کرایہ نہ دے سکنے کی وجہ سے خالی کرنا چاہتے ہیں آپ مکان خالی نہ کریں۔ میں بھی آپ کی کچھ امداد کر دیا کروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے دس روپے کا نوٹ کرایہ میں شرکت کی غرض سے پیش کر دیا۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

اس واقعہ کے چند ماہ بعد ہی کراچی میں دار التبلیغ قائم ہو گیا۔ اور مرکز سے سوا صد

روپے ماہوار کی امداد ملنے لگی۔ اس پر اس مکان کو چھوڑ کر کراچی صدر میں الفنسٹن سٹریٹ میں ایک ہال کرایہ پر لے لیا گیا۔ اور پچاس کرسیاں اور دو عمدہ میزیں مع دفتری کرسیوں کے خرید لی گئیں۔ اور ہفتہ میں تین بار انگریزی اور اردو میں تقاریر ہوتیں۔ ہر ماہ کا پروگرام انگریزی میں شائع کر دیا جاتا۔ اور مقامی اخبارات "ڈیلی گزٹ" اور "سندھ آبزرور" میں بھی ان لیکچروں کا قبل از وقت اعلان ہو جاتا تھا۔ اس زمانہ میں محترم جناب ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحب رضؓ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس جماعت کے صدر تھے۔ وہ اور محترم حاجی عبدالکریم صاحب انگریزی میں لیکچر دیا کرتے تھے۔ اور مکرم شیخ صاحب اردو میں۔ انفرادی تبلیغ میں محترم مولوی محمد نواز خاں صاحب کنگی سیکرٹری تبلیغ روزانہ دفتری اوقات کے بعد شیخ صاحب کا ساتھ دیا کرتے تھے۔ اور قریباً ہر اتوار کو حاجی عبدالکریم صاحب معززین سے ملاقات کرنے کے لئے شیخ صاحب کے ساتھ جاتے تھے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی کراچی میں دوسری دفعہ تشریف آوری

محترم شیخ صاحب بیان کرتے ہیں کہ:۔

حضور جب بھی کراچی میں تشریف لے جاتے تھے سمندری سیر بھی ضرور کیا کرتے تھے۔ غالباً دوسری دفعہ حضور کے تشریف لے جانے کا واقعہ ہے کہ جب ہم لوگ کراچی بندر سے منوڑہ جانے کے لئے ایک موٹر لانچ میں سوار ہوئے تو حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب نے ایک چنے بیچنے والے سے کچھ چنے خرید لئے۔ آپ کا یہ خیال تھا کہ سمندر میں ذرا آگے چل کر میں یہ سب احباب میں تقسیم کر دوں گا۔ اور سیر کے دوران میں چنے کھانے سے سب لطف اندوز ہوں گے۔ ابھی موٹر لانچ ساحل سمندر سے جدا ہی ہوئی تھی۔ کہ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حضرت صاحبزادہ صاحب سے یہ سوال کیا کہ آپ نے یہ چنے کسی ہندو سے خریدے ہیں یا مسلمان سے؟ صاحبزادہ صاحب نے کہا کہ یہاں ہندو مسلمان سب یکساں نظر آتے ہیں۔ میرے لئے تو یہ تمیز کرنا مشکل ہے۔ فرمایا۔ میرا بھی دل چنے خریدنے کو چاہتا تھا۔ مگر میں نے سب پر نظر ڈال کر دیکھا چنے بیچنے والے تمام ہندو ہیں ایک بھی مسلمان نہیں۔ حضور کا یہ فرمانا تھا کہ صاحبزادہ صاحب نے سارے چنے سمندر میں پھینک دیئے۔ ان ایام میں ہندوؤں کے مسئلہ چھوت چھات کے جواب میں حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں یہ تحریک چلائی تھی کہ جب ہندو ہمارے ہاتھ کی چیزیں نہیں کھاتے۔ تو ہم کیوں ان کے ہاتھ کی چیزیں کھائیں۔ حضور کی اس ہدایت پر جماعت سختی کے ساتھ کاربند تھی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب چونکہ بندرگاہ کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں تمیز نہیں کر سکے تھے۔ اس لئے آپ نے ایک

چنے بیچنے والے کو مسلمان سمجھ کر اس سے چنے خرید لئے مگر حضور چونکہ غضب کی نگاہ رکھتے تھے اس لئے حضور نے تمام کا جائزہ لے کر یہ فیصلہ صادر فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

حیدرآباد سندھ میں حضور کا لیکچر

آپ بیان فرماتے ہیں کہ:۔

اس سفر کا یا کسی دوسرے سفر کا واقعہ ہے کہ حیدرآباد سندھ میں حضور نے ٹاؤن ہال میں ایک لیکچر دینا منظور فرمایا۔ سندھ کے ایک اعلیٰ خاندان کے فرد مسٹر حافظ اس زمانہ میں حیدرآباد کے سٹی مجسٹریٹ تھے۔ ان کو جب حضور کی آمد کا علم ہوا۔ تو انہوں نے حضور کے لئے ڈاک بنگلہ خالی کروا لیا۔ اور تمام شہر اور ارد گرد کے باغات میں نہ صرف صفائی کروائی بلکہ چھڑکاؤ بھی کروایا۔ اور چار نہایت ہی عمدہ نئی کاریں لے کر حضور کے استقبال کے لئے سٹیشن پر پہنچے مجھے خوب یاد ہے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب مکرم شیخ یوسف علی صاحب مرحوم پرائیویٹ سیکرٹری وغیرہ متعدد احباب حضور کے ہمراہ تھے حضور ڈاک بنگلہ میں بیٹھ کر ڈاک بھی ملاحظہ فرما رہے تھے اور پرائیویٹ سیکرٹری اور دوسرے لوگوں کی باتوں کا بھی جواب دے رہے تھے۔ مسٹر حافظ نے بعد میں مجھے کہا۔ کہ ایسا عالی دماغ انسان آج تک میری نظر سے نہیں گذرا جو ایک وقت میں کئی کام کرتا ہے۔ اور پوری توجہ سے کرتا ہے پھر انہوں نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا حلیہ بیان کر کے ان کی بھی تعریف کی اور یہ معلوم کر کے بہت خوش ہوئے کہ آپ حضور کے بھائی ہیں۔

جب لیکچر کے لئے ہم لوگ ٹاؤن ہال گئے۔ تو دیکھا کہ ہال حاضرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ حضرت اقدس مع اپنے چند ساتھیوں کے سٹیج پر تشریف فرما تھے۔ مسٹر حافظ ذرا فاصلہ پر حاضرین میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے حضور کی خدمت میں درخواست کی کہ اگر حضور اجازت عنایت فرمائیں تو میں سٹیج پر آ جاؤں۔ کیونکہ میں یہاں کا سٹی مجسٹریٹ ہوں۔ مجھے علم ہوا ہے۔ کہ چند شوریدہ سر ملّاں بھی جلسہ میں آئے ہوئے ہیں۔ اور وہ حضور کی تقریر میں گڑبڑ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ میری سٹیج پر موجودگی کی وجہ سے انہیں شرارت کرنے کا موقعہ کم ملے گا۔ حضور نے فرمایا۔ آپ ضرور تشریف لے آئیں۔ چنانچہ وہ بھی سٹیج پر پہنچ گئے۔

یہ عجیب بات ہے کہ جب حضور نے تقریر شروع کی۔ تو حضور نے اپنے لیکچر کی عام رفتار کی بجائے آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر بولنا شروع کیا۔ اور درمیان میں ایک دفعہ رک بھی گئے۔ اپنی ران پر بھی دوران لیکچر میں کئی بار آپ نے ہاتھ مارا۔ ابھی لیکچر جاری تھا کہ بیچ بیچ بعض ملّاں طبع لوگ اعتراض کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اس پر مسٹر حافظ فوراً اُٹھے اور بڑے پُرشوکت لہجہ میں فرمایا کہ تم جانتے نہیں کہ آج کے جلسہ میں کون تقریر کر رہا ہے۔ یہ دنیا

کے سب سے بڑے پیر ہیں۔ اگر تم نے کچھ سوالات کرنے ہیں تو ان کے مبلغ میرے پاس ٹھہریں گے
وہاں آ کر سوال کر لینا۔ اس وقت جلسہ خراب کرنے کی کوشش مت کرو۔ اس پر وہ بیٹھ گئے۔
مگر سُنا تھا کہ ہال کے باہر شرارت پسندوں نے بعض احمدیوں کو زدوکوب بھی کیا تھا۔
خیر جلسہ خیریت سے اختتام پذیر ہوا۔ ظہر کے وقت حضرت اقدس نے سٹی مجسٹریٹ کی معیت میں
ارد گرد کے بعض باغات کی بھی سیر کی۔ اور ظہر اور عصر کی نمازیں بھی حضور نے ایک باغ میں جمع
کر کے پڑھائیں۔ محترم سید رحمت علی شاہ صاحب بی۔ اے نے جو انگریزی اچھی جانتے تھے
کراچی کے اخبارات میں چھپوانے کے لئے حضور کی تقریر کی رپورٹ تیار کی۔ جب ہم مسٹر حافظ
کی کوٹھی پر حاضر ہوئے اور ان کو علم ہوا۔ کہ حضور کی تقریر کی رپورٹ تیار کی گئی ہے تو انہوں نے
فرمایا کہ اگر آپ پسند فرمائیں۔ تو میں رپورٹ لکھوا دیتا ہوں۔ ہم نے کہا بڑے شوق سے آپ
لکھوائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک ایسی پُرمغز اور شاندار رپورٹ لکھوائی کہ بعد میں مجھے
رحمت علی شاہ صاحب نے بتایا۔ کہ میں اگر دس سال بھی اور پڑھتا رہوں تو ایسی رپورٹ
تیار نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد احباب جماعت کراچی تو واپس کراچی چلے گئے۔ مگر مجھے مسٹر حافظ نے
ایک دو روز کے لئے روک لیا۔ اس روز یا دوسرے روز عصر کے بعد کوٹھی کے صحن میں
اعلیٰ فرش کیا گیا۔ جس پر بڑے بڑے قیمتی غالیچے بھی تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ
کسی بڑے آدمی کی آمد پر ان کے اعزاز میں یہ انتظام کیا گیا۔ خاکسار اور مسٹر حافظ آپس
میں باتیں کر رہے تھے کہ مغرب سے ذرا قبل دور سے تیس چالیس آدمی کوٹھی کی طرف آتے
دکھائی دیئے۔ مسٹر حافظ نے بتایا کہ میرے پیر صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ یہ کہکر وہ پیر
صاحب کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے۔ میں بھی کھڑا ہو گیا۔ مگر مسٹر حافظ نے مجھے
یہ کہکر بٹھا دیا۔ کہ آپ تشریف رکھیئے۔ میرے نزدیک آپ کی شان میرے پیر صاحب کی
شان سے بہت بڑی ہے کیونکہ آپ دنیا کے سب سے بڑے پیر کے مُرید ہیں۔ خیر مسٹر حافظ
کافی دور پیر صاحب کے استقبال کے لئے آگے گئے۔ جب پیر صاحب مع اپنے تیس چالیس
مریدوں کے میرے نزدیک پہنچے تو میں نے بھی کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔

اب مغرب کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ مسٹر حافظ نے اپنے پیر صاحب سے یہ کہکر میرا تعارف
کرایا۔ کہ پیر صاحب! یہ صاحب دنیا کے سب سے بڑے پیر کے مرید ہیں اس لئے آج نماز یہ
پڑھائیں گے۔ اور میں اور آپ ان کے پیچھے پڑھیں گے۔ چنانچہ میں نے مغرب کی نماز
پڑھائی۔ دریائے سندھ کا کنارہ تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ حضرت امیر المؤمنین

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے ملاقات کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ اس لئے میرے اندر بھی
اس وقت ایک خاص کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ میں جب نماز پڑھا چکا تو مسٹر حافظ نے کہا
اپنی ساری زندگی میں یا تو مجھے ان دو نمازوں کا لطف آیا ہے جو میں نے باغ میں حضرت
کے پیچھے پڑھی ہیں اور یا اب اس نماز میں! میرا دل چاہتا ہے کہ میں نماز سیکھنے کے لئے دو تین
ماہ کی رخصت حاصل کر کے قادیان چلا جاؤں اور حضور کی اقتداء میں نمازیں پڑھ کر لطف
حاصل کروں۔ اس کے بعد مسٹر حافظ نے پیر صاحب کو مخاطب کر کے کہا۔ کہ پیر صاحب!
خطبہ نکاح بھی جس کے لئے آپ کو تکلیف دی گئی ہے یہی پڑھیں گے۔ مجھے اور آپ کو علم
حاصل کرنا چاہیئے کہ صحیح سنّت نبویؐ کے مطابق خطبہ پڑھنے کا کیا طریق ہے۔ اس کے بعد میں
نے نکاح کا خطبہ پڑھا۔ جو غالباً ان کے کسی عزیز کا تھا۔ اور اس طرح سے دوسرے روز
خاکسار عازم کراچی ہو گیا۔ ان مولوی صاحبان میں سے کوئی بھی کوٹھی پر نہ گیا۔ جن کے لئے
مسٹر حافظ نے خاکسار کو اپنے پاس ٹھہرایا تھا۔

ایک پرانے سندھی بزرگ کی پیشگوئی کا پورا ہونا

اوپر ذکر ہوا تھا کہ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ
نے حیدر آباد کے ٹاؤن ہال میں آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر
کر لیکچر دیا تھا۔ اور درمیان میں ایک دفعہ رک بھی گئے
تھے۔ اور دوران لیکچر میں اپنی ران پر بھی آپ نے کئی دفعہ ہاتھ مارا تھا۔ یہ سب کچھ
در اصل ایک سندھی بزرگ کی پیشگوئی کے مطابق ہوا تھا۔ جو تین چار سو سال پہلے گذر
چکا تھا۔ اور اس کا انکشاف حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے حیدر آباد سے واپس آنے کے
دو ماہ بعد ہوا۔ اور وہ اس طرح کہ سندھ میں ایک احمدی دوست ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب
بڑے ہی جوشیلے اور مخلص احمدی ہیں ان کے بزرگوں میں تین چار سو سال قبل ایک
بڑے ہی ولی اللہ گذرے ہیں جنہوں نے سندھی زبان کے اشعار میں ایک کتاب لکھی تھی۔
جو اب تک سیالکوٹی موٹے کاغذوں پر لکھی ہوئی موجود ہے۔ اور بطور تبرک ان کے خاندان
میں محفوظ چلی آتی ہے۔ حضرت اقدس کے حیدر آباد سے واپس قادیان جانے کے دو ماہ
بعد محترم ڈاکٹر صاحب نے اتفاقیہ طور پر اس کے چند اوراق کا مطالعہ کیا۔ جن میں لکھا تھا۔
کہ امام مہدی فلاں سن میں (ٹھیک اس سال جس سال حضرت اقدس امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ
حیدر آباد تشریف لے گئے تھے) جب پہلی مرتبہ حیدر آباد آئے گا۔ تو شہر کا راجہ اس کا
استقبال کرے گا۔ (سٹی مجسٹریٹ شہر کا راجہ ہی ہوتا ہے) اور اس زمانہ میں ہندوؤں کی حکومت
ہو گی (انگریزوں کو اس زمانہ میں ان کی شکل و شباہت اور پرانے رہنے سہنے کے ڈھنگ کے

لحاظ سے بندروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ قردۃً خاسئین کے لحاظ سے بھی وہ بندر ہیں اور چونکہ ڈارون تھیوری کے بنانے والے وہ ہیں اس لئے بقول خود وہ بندروں کی اولاد ہیں۔ مؤلف) امام مہدی حیدرآباد میں تقریر بھی کرے گا۔ مگر آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر کرے گا اور درمیان میں رُک بھی جائے گا۔ دوران تقریر میں اپنی ران پر بھی ہاتھ مارے گا وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ حضرت اقدس کے حیدرآباد میں ورود کا مکمل نقشہ مع سن اور حکمرانوں کی تعیین کے اس بزرگ نے بطور پیشگوئی کھینچ کر رکھ دیا ہُوا ہے۔ ہاں اتنا فرق ضرور واقع ہُوا ہے کہ یہ پیشگوئی حضرت مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بجائے ان کے ایک اولوالعزم خلیفہ کے ذریعہ پوری ہوگئی۔ اور یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ کیونکہ پیشگوئی میں بعض اوقات ایسا ہوتا ہے۔ نیز خلفاء راشدین کو بھی تو مہدی کہا گیا ہے۔

ایک پادری کی انجمن میں آمد

مکرم شیخ صاحب بیان کرتے ہیں کہ:۔ سندھ مدرسہ کے پاس والے انجمن کے مکان میں ایک دفعہ ایک دیسی پادری صاحب تبلیغ کے لئے آگھسے۔ پندرہ بیس منٹ اس نے تبلیغ کی اس کو ہمارے سلسلہ کے اغراض و مقاصد کا علم نہیں تھا۔ جب وہ اپنا مشن پورا کر چکا۔ تو ہم نے انجیل سے ان آیتوں کی فہرست نکال کر اس کی خدمت میں پیش کر دی۔ اور اس سے دریافت کیا کہ یہ آیتیں اب کہاں ہیں؟ انہیں اصل متن سے کیوں نکال دیا گیا ہے۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہنے لگا۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں۔ میں اپنے بڑے پادری صاحب کی خدمت میں جو امریکن ہیں۔ آپ کا یہ سوال پیش کرونگا۔ اور پھر جو جواب انہوں نے دیا۔ میں کل آکر آپ کو بتاؤنگا۔ یہ کہکر وہ چلا گیا۔ اپنے وعدہ کے مطابق جب دوسرے روز آیا۔ تو وہ بہت ہی سہما ہُوا کبیدہ خاطر اور پریشان نظر آتا تھا۔ ہم نے اسے امریکن پادری کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ایک جلد تحفہ شہزادہ ویلز بھی دی تھی۔ اس نے آتے ہی کہا۔ کہ صاحب! میں آپ کی انجمن میں آتو گیا ہوں لیکن برائے خدا آپ کسی کو میری آمد کی اطلاع ہرگز نہ دیں۔ ورنہ میری نوکری جاتی رہے گی۔ اور گھبراہٹ کی وجہ یہ بتائی کہ کل جب میں نے امریکن پادری صاحب کی خدمت میں آپ کی کتاب پیش کی تو وہ بڑے خوش ہوئے اور جھوم جھوم کر اسے پڑھنا شروع کیا۔ ابھی انہوں نے دو تین صفحے ہی پڑھے تھے کہ میں نے آپ کی دی ہوئی وہ فہرست پیش کر دی۔ اور کہا کہ کتاب دینے والوں نے ان آیات کے اناجیل سے نکالنے کی وجہ پوچھی ہے۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ پادری صاحب غصہ سے لال پیلے ہوگئے۔ کتاب کو فرش پر دے مارا۔ اور مجھے بڑے تحکمانہ

لہجے میں کہا۔ کہ یہ فہرست یقیناً تمہیں کسی قادیانی نے دی ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تم ان لوگوں کے پاس کیوں گئے تھے۔ خبردار! اگر ہمیں علم ہوگیا۔ کہ تم پھر بھی ادھر گئے ہو تو ہم تمہیں نوکری سے جواب دے دیں گے۔ اب میں صرف اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے آیا ہوں۔ ورنہ میں ہرگز نہ آتا۔ ہم نے کہا جب آپ پر عیسائیت کی کمزوری ظاہر ہوگئی ہے تو آپ اس فرسودہ مذہب کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ کہنے لگا۔ آپ جانتے ہیں۔ بڑی باعزت نوکری ہے۔ سب چھوٹے بڑے فادر فادر کہتے ہیں۔ اگر آج میں نوکری چھوڑ دوں۔ تو پھر چوہڑے کا چوہڑا ہوں نا۔ اور کیا ہوں۔" پھر کہا کہ وہاں مجھے ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ آپ مجھے پچھتر روپیہ دیدیں میں فوراً آپ کے پاس آجاؤں گا۔ غرض یہ باتیں کرکے وہ رفوچکر ہوگیا۔

تائید ایزدی کے دو عجیب واقعات

آپ ابھی کراچی میں ہی تھے کہ سندھ میں ٹنی سر روڈ کے مقام پر غیر احمدیوں کے ساتھ ایک مناظرہ قرار پایا غزنوی خاندان کے بعض مولوی اور عبداللہ معمار امرتسری مقابل پر تھے۔ قادیان دارالامان سے کتابیں اس وقت پہنچیں جب مکرم شیخ صاحب و احباب میدانِ مناظرہ میں پہنچ چکے تھے اور عملاً مناظرہ کی کارروائی شروع ہونے والی تھی۔ چونکہ آپ کو کتابوں کی فہرست کا کوئی علم نہیں تھا۔ اس لئے کتابوں سے فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتے تھے۔ دوران مناظرہ میں ایک کتاب کا جو غالباً جلالین تھی آپنے حوالہ پیش کیا۔ مولوی عبداللہ معمار نے جو مقابل پر تھے فوراً اُٹھکر کہا کہ غلط ہے! جھوٹ ہے! اس کتاب میں ہرگز یہ حوالہ موجود نہیں ہے جو تم پیش کر رہے ہو۔ اور اگر ہے تو اصل کتاب نکال کر پیش کرو۔ آپنے کہا کہ تم جانتے ہو کہ کتابیں ابھی پہنچی ہیں۔ اور مجھے علم نہیں کہ یہ کتاب آئی بھی ہے یا نہیں اور اگر آپ کے پاس کتاب ہے تو بھیجدو۔ میں حوالہ نکال کر آپ کی خدمت میں پیش کر دونگا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ فوراً کتاب بھیجدی۔ آپ نے یہ کہکر وہ کتاب اپنی دوسری کتابوں کے درمیان رکھدی کہ جب تم تقریر کر وگے تو میں اطمینان سے حوالہ نکال کر تمہیں دکھا دونگا۔ بعد تقریر جب آپ نے حوالہ نکالنے کے لئے کتاب کو ہاتھ میں لیا تو فرشتوں نے اس کی کتاب کے بجائے وہ کتاب آپ کے سامنے کر دی جو قادیان سے آئی تھی۔ اور جس میں بین السطور وہ حوالہ موجود تھا۔ آپ نے کتاب جو کھولی تو فوراً حوالہ نکل آیا۔ اور آپ نے بآواز بلند حاضرین کو مخاطب کرکے کہا کہ صاحبان! دیکھئے یہ حوالہ موجود ہے۔ اور اگر کوئی شخص پرائمری پاس بھی ہو اور وہ یہ حوالہ دیکھنا چاہے تو ہم اسے دکھا سکتے ہیں۔ اس پر دو تین آدمی حوالہ دیکھنے کے لئے آگئے آئے اور جب انہوں نے شہادت دی کہ حوالہ موجود ہے تو مجمع پر ایک سناٹا چھا گیا۔ مولوی

عبداللہ معمار بہت پریشان ہوا۔ کیونکہ جو کتاب اس نے بھیجی تھی اس کے متعلق اسے یقین تھا۔ کہ اس میں وہ حوالہ موجود نہیں۔ مگر حقیقت کا شیخ صاحب کو بھی علم نہیں تھا۔ آپ کا بھی یہی خیال تھا۔ کہ اس کی بھیجی ہوئی کتاب سے ہی حوالہ نکلا ہے۔ لہذا آپ نے وہی کتاب اسے واپس بھیجدی۔ اس کے بعد جب آپ اطمینان سے دوسری کتابیں دیکھنے لگے۔ تو پہلی کتاب جو آپ کے ہاتھ میں آئی وہ وُہ تھی جو معمار مذکور نے بھیجی تھی۔ تب آپ پر معمہ کھلا اور آپ نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے آپ کی آبرو رکھ لی۔ اور سلسلہ کو ذلت سے بچا لیا۔

فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اسی طرح شیخ صاحب سناتے ہیں کہ:-

گاندھی گارڈن کے قریب ایک لکڑیوں کا بہت بڑے ٹال کا مالک یو۔پی کا ایک ریٹائرڈ صوبیدار تھا۔ چند اہلکار بھی دفتری اوقات سے فارغ ہو کر اس کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ میں بھی کبھی کبھار وہاں جا نکلتا تھا۔ اور میری ان کے ساتھ بڑی بے تکلفی ہوگئی تھی۔ میں انہیں تبلیغ کرتا تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے مجھے رسوا کرنے کے لئے ایک تجویز سوچی اور ایک بڑے جبہ پوش مولوی کو بلا لیا۔ جو پندرہ بیس سال تک عربی ممالک میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد تازہ تازہ کراچی آیا تھا۔ اور ایک بڑا مجمع بھی اکٹھا کر لیا جب میں پہنچا تو انہوں نے متفقہ طور پر کہا کہ صاحب! آج تو ہم نے اپنے عالم کو بھی بلا لیا ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ عربی زبان میں آپ کا مناظرہ سنیں۔ اگر آپ جیت گئے تو ہم آپ کی باتیں سنا کریں گے۔ ورنہ نہیں۔ مجھے چونکہ عربی زبان میں تقریر کرنے کی مشق نہیں تھی۔ اس لئے میں حیران ہوگیا کہ انہیں کیا جواب دوں۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل! اگر عربی میں مناظرہ کے لئے آمادگی کا اظہار کرتا ہوں تو بھی مشکل اور اگر انکار کرتا ہوں تو بھی مشکل کروں تو کیا کروں۔ چند منٹ دعا کرنے کے بعد میں نے کہا کہ میں ان مولوی صاحب کے ساتھ عربی میں مناظرہ کرنے کے لئے بالکل تیار ہوں۔ آپ انہیں میدان میں لائیے۔ مولوی صاحب فوراً آگے بڑھے۔ اور کہنے لگے کہ پہلے میں تقریر کروں یا آپ کریں گے۔ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا کہ پہلے آپ تقریر کریں۔ میں آپ کی تقریر کا جواب دونگا۔ خیر اس نے تقریر شروع کر دی۔ قریبًا چالیس پینتالیس منٹ وہ بول چکا تھا اور اپنی تقریر ختم کرنا ہی چاہتا تھا۔ کہ اس کی ایک بات سُنکر میری زبان سے بے اختیار اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ نکلوائے۔ ماذا قلت انفا۔ یعنی آپ نے ابھی کیا کہا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ایسا تصرف کیا کہ وہ میرے اس فقرہ کو جو خالص قرآنی زبان میں تھا

سمجھ ہی نہ سکا۔ اور مجھے دوبارہ فقرہ دوہرانے کے لئے کہا جب میں نے دوبارہ یہی فقرہ دوہرایا۔ تو پھر بھی نہ سمجھ سکا۔ اس پر حاضرین میں سے بعض سرکردہ لوگ بول اُٹھے کہ جب ہمارا مولوی ان کے ایک فقرہ کو بھی نہیں سمجھ سکا۔ تو یہ ان کی تقریر کو کیسے سمجھ سکے گا۔ اس لئے ہم عربی میں مناظرہ نہیں سننا چاہتے۔ مناظرہ اردو زبان میں ہونا چاہیئے۔ جسے تمام لوگ سمجھ سکیں۔ بس پھر کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مجلس میں ہماری وہ تائید کی کہ ان پر ہمارا سکہ بیٹھ گیا۔ اور جب میرا کراچی سے تبادلہ ہوا۔ تو ان لوگوں نے دو بکرے ذبح کروا کر مجھے ایک شاندار دعوت دی جس میں ایڈریس بھی پیش کیا۔ اور ایک شاعر نے میری تعریف میں ایک نظم بھی کہی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

لائل پور میں خدمات سلسلہ حضرت حکیم عبد الجلیل صاحب بھیروی

غالباً ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۵ء تک اندازاً چھ سال آپ کو لائل پور کے مرکز میں تبلیغی اور تربیتی کام کرنے کا موقعہ ملا ان ایام میں لائل پور کے مرکز میں اضلاع شیخوپورہ جھنگ سرگودھا اور لائل پور شامل تھے۔

ان دنوں جماعت شیخوپورہ کے صدر حضرت حکیم عبد الجلیل صاحبؓ بھیروی تھے۔ جس قدر اخلاص، محبت اور لطف کے ساتھ حضرت حکیم صاحب آپ کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے آپ اسے بھول نہیں سکتے۔ جب بھی آپ شیخوپورہ جایا کرتے۔ آپ کا قیام ہمیشہ ہی حضرت حکیم صاحب کے ہاں ہوا کرتا تھا۔ آپ کو یہ بات نہیں بھولتی کہ ایک مرتبہ آپ نے عصر کے بعد بازار سے چائے پی لی۔ جب حضرت حکیم صاحبؓ کو اس کا علم ہوا تو اس قدر ناراض ہوئے کہ جس کی کوئی حد ہی نہیں۔ فرمایا آپ نے تو ہماری ناک کاٹ دی جن لوگوں نے آپ کو بازار سے چائے پیتے دیکھا ہوگا انہوں نے جماعت کے متعلق کیا خیال کیا ہوگا۔ آپ نے مجھے کیوں نہ فرما دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ بہت دنوں تک ناراضگی کا اظہار فرماتے رہے۔ آپ صحابی تھے عمر بھی کافی تھی۔ اور جسم بھی بھاری تھا۔ مگر اپنی دکان کے سامنے کی مسجد میں شیخ صاحب مکرم کو لے جانے اور بسا اوقات ان کے غسل کے لئے خود پانی نکال کر غسل خانہ میں ڈالا کرتے تھے اور ان کی خاطر صابن تیل تولیہ ہمیشہ دکان پر رکھتے۔ اللہ اللہ وہ کیسے برکتوں والے ایام تھے۔

حضرت ممدوحؓ فرمایا کرتے کہ بھیرہ سے ہم راولپنڈی گئے وہاں احمدیت کی وجہ سے سخت مخالفت ہوئی۔ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ آپ شیخوپورہ چلے جائیں شیخوپورہ آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور آہستہ آہستہ ہماری مالی حالت اچھی ہوتی گئی حتیٰ کہ آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں رہائش کے لئے بھی وسیع مکان عطا فرما دیا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

مکرم شیخ صاحب کو چونکہ کئی کئی دن لگاتار ان کے ہاں قیام کرنے کا موقعہ ملا۔ اس لئے آپ انکے خانگی حالات سے خوب واقف ہیں۔ آپ دیکھتے کہ حضرت حکیم صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ دونوں بلاناغہ دو بجے تہجد کی نماز کے لئے اُٹھتے اور نماز میں دعائیں کرتے کرتے بعض اوقات خود بخود ان کی آوازیں اونچی ہو جایا کرتی تھیں۔ ان دعاؤں میں وہ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالےٰ۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ خاندان حضرت مسیح موعودؑ۔ مبلغین سلسلہ اور پھر اپنے ہر بچہ کا نام لے کر دعائیں کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی دعاؤں کو سُنا اور خوب سُنا۔ جو دعائیں وہ کیا کرتے تھے ان کی زندگی میں قبول ہو گئیں۔

حکیم صاحب محترم مرکز سلسلہ کے احکام کو اس قدر اہمیت دیتے تھے۔ کہ جب تک ان کی تعمیل نہ ہو جاتی چین سے کبھی نہ بیٹھتے۔ ان کے زمانے میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور یوم مصلح موعود کے جلسے عموماً بسوں کے اڈے پر ہوتے تھے اور اس سلسلہ میں باوجود بڑھاپے کے وہ اکیلے حکام متعلقہ کو جا کر ملتے۔ اور جلسوں کی منظوری اور قیام امن سے متعلق جملہ امور خود طے کرواتے تھے۔ آپ کی اولاد بھی ماشاء اللہ سلسلہ کی خوب فدائی ہے۔ اللّٰھم بارك لھم فیما اٰتیتھم واغفر لھم وارحمھم اٰمین یارب العٰلمین۔

لاہور میں خدمات سلسلہ

غالباً ۱۹۴۵ء یا ۱۹۴۶ء میں لائلپور سے آپ کا تبادلہ لاہور میں ہو گیا۔ جہاں آپ کو اندازاً ساڑھے تین سال کام کرنے کا موقعہ ملا۔ ان ایام میں لاہور کی جماعت کے امیر جناب شیخ بشیر احمد صاحب تھے جن میں ایک خاص بات یہ تھی کہ آپ اس بات پر خاص زور دیتے تھے کہ اگر جماعت کے تعلقات اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے ساتھ مخلصانہ ہو جائیں تو پھر ہماری کامیابی میں کوئی چیز رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتی۔ چنانچہ اسی نظریہ کے ماتحت آپ جماعت کے عہدیداروں سے دریافت فرماتے رہتے۔ کہ آپ کے حلقے میں کوئی شخص یا خاندان فاقوں تو نہیں مر رہا۔ نمازوں میں دوست ذوق و شوق سے شامل ہوتے ہیں یا نہیں؟ جماعتی چیزوں سے متعلق آپ کا نظریہ یہ تھا۔ کہ اگر دوستوں کے قلوب میں ایمان اور اخلاص پیدا ہو جائے تو پھر چندے خود بخود دینگے آجکل بھی جبکہ شیخ صاحب موصوف مغربی پاکستان کے ہائی کورٹ کی ججی کے جلیل القدر عہدہ پر فائز ہیں جب آپ کو جماعت سے خطاب کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔ مندرجہ بالا نظریہ کا ہی مختلف پیرایوں میں اظہار فرماتے رہتے ہیں۔

۱۹۵۴ء یا ۱۹۵۵ء میں سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا کہ

محترم شیخ عبد القادر صاحب کو لاہور میں مقرر کیا جائے۔ چنانچہ اس وقت سے آپ لاہور میں خدمات سلسلہ بجا لا رہے ہیں۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ جناب چوہدری اسد اللہ خانصاحب امیر جماعت کی نوازشات کا بارِ گراں مجھ پر ہے۔ اللہ تعالےٰ چوہدری صاحب محترم کو صحت کاملہ عطا کر کے ان کی خدمات سلسلہ کو جماعت کے لئے قائم رکھے۔ آمین۔

جھنگ مگھیانہ

غالباً مارچ ۱۹۴۶ء میں ایام مشاورت میں مرکز کے حکم سے پبلک تقریر کے لئے جھنگ پہنچے جہاں ان ایام میں جماعت کی تعداد بہت کم تھی۔ جلسہ حضرت چوہدری غلام حسین صاحب ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس کے مکان کے سامنے بازار میں کیا گیا۔ ہماری جماعت کے چھوٹے بڑے افراد کی حاضری صرف بیس پچیس تھی۔ اور غیر از جماعت احباب کو ملا کر حاضری اندازاً ساٹھ تک تھی۔ ابھی مکرم شیخ صاحب نے پندرہ بیس منٹ ہی تقریر کی ہو گی کہ ایک کافی بڑا مجمع ایک جلوس کی شکل میں ہاکیوں اور لاٹھیوں سے مسلح جلسہ گاہ کی طرف بڑھا۔ ان کا ایک لیڈر ہاتھ میں لاٹھی تھامے آپ کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا۔ تقریر بند کر دو آپ نے کہا اس کی وجہ؟ کہنے لگا یہاں ہماری اکثریت ہے آپ نے کہا۔ اپنے خیالات کی اشاعت کا حق ہر شخص کو حکومت کی طرف سے بنیادی طور پر حاصل ہے اور اسلام نے بھی اشاعت مذہب کی ہر شخص کو اجازت دی ہے۔ اس لئے میں آپ کی یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں کہنے لگا۔ نہیں مانو گے؟ آپ نے کہا۔ نہیں۔ یہ سوال و جواب تین مرتبہ ہوا۔ تیسری مرتبہ اس نے اس زور سے لاٹھی میز پر ماری کہ تین لیمپ ٹوٹ گئے۔ اور مقدس مذہبی کتب نیچے گر پڑیں۔ بعد میں جو ریلا آیا۔ تو اس نے سارا فرنیچر توڑ دیا۔ اور نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے ہوئے آگے نکل گئے۔ شیخ صاحب نے کہا تقریر کرنے کے لئے نہ تو کتب کی ضرورت ہے اور نہ فرنیچر کی۔ صرف زبان کی ضرورت ہے۔ لہذا جب تک میں تھک نہیں جاؤں گا۔ برابر تقریر جاری رکھونگا۔ چنانچہ آپ نے تقریر جاری رکھی۔

جلوس قریباً ایک گھنٹہ میں سارے شہر کا چکر لگانے کے بعد پھر واپس اس جگہ پہنچ گیا۔ جلوس کے سرغنہ نے آپ کو کہا کہ آپ نے تقریر بند کیوں نہیں کی۔ آپ نے کہا۔ اگر تم واپس نہ آتے تو میں تقریر بند کرنے ہی لگا تھا۔ مگر اب بیس پچیس منٹ تقریر ضرور کروں گا تا تم یہ نہ کہہ سکو کہ تم تقریر بند کروانے میں کامیاب ہو گئے ہو۔ سو آپ نے کچھ دیر اور تقریر جاری رکھی۔ اور پھر ایک مکان کی بیٹھک میں جہاں آپ کی رہائش کا انتظام تھا چلے گئے۔ لیکن وہ نوجوان جو جلوس میں مگھیانہ سے آئے ہوئے تھے۔ اور بڑے جوش و خروش کا اظہار کر رہے تھے۔ رات کے تین بجے تک بیٹھک کے دروازوں پر لاٹھیاں مارتے اور روشندانوں کے ذریعہ روڑے

اندر پھینکتے رہے۔ اندر جو مستورات تھیں انہوں نے آپ کو کئی مرتبہ کہا کہ اندر آجایئے۔ مگر آپ وہیں ڈٹے رہے۔

دوسرے روز صبح آپ مگھیانہ گئے جھنگ اور مگھیانہ کے درمیان صرف ایک میل کا فاصلہ ہے اور دونوں شہر ایک پختہ سڑک کے ساتھ ملے ہوئے ہیں مگھیانہ پہنچتے ہی محترم حکیم عبدالحکیم صاحب سے ملاقات ہوئی جو تازہ بتازہ قادیان سے مجلس مشاورت میں حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے روح پرور خطابات سُن چکے تھے۔ ان سے آپ نے جلسہ جھنگ کے حالات بیان کئے انہوں نے فرمایا۔ ہم اپنے ہاں جلسہ کرتے ہیں۔ آپ تقریر کے لئے تیار رہیں۔ آپنے کہا قریباً ساٹھ نوجوان دکاندار یہاں سے لاٹھیاں لے کر رات جھنگ گئے تھے۔ اور اس سے زیادہ جھنگ کے لوگ شامل ہوئے تھے۔ جنہوں نے ہمارا جلسہ خراب کرنے کی کوشش کی۔ اور آج تو وہ لوگ زیادہ تعداد میں آکر ہمارا جلسہ خراب کرنے کی کوشش کریں گے۔ کیا آپ ان کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں؟ محترم حکیم صاحب نے فرمایا۔ ہم نے اپنی دکان کے سامنے سیرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم کا پُرامن جلسہ کرنا ہے۔ اگر یہ لوگ ہماری زبان سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف بھی نہیں سن سکتے تو پھر ان کو چاہیئے کہ جلسہ میں شامل نہ ہوں لیکن اگر انہوں نے ہمارا جلسہ خراب کرنے کی کوشش کی تو ہم ان کا مقابلہ کریں گے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالےٰ ہماری امداد کرے گا۔ آپ نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک ڈھنڈورچی کو بلا کر ایک روپیہ دیا اور مگھیانہ اور جھنگ دونوں شہروں میں اعلان کرا دیا۔ کہ آج شام جماعت احمدیہ کے زیر اہتمام بستی یا بو والی میں سیرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم کا جلسہ ہوگا۔ احباب کثرت سے شامل ہو کر ثواب دارین حاصل کریں۔ اس اعلان کو سُنکر تو شر پسندوں کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور انہوں نے جلسہ کو درہم برہم کرنے کا پورا تہیہ کر لیا۔

نو بجے شام جلسہ شروع ہوا۔ ابھی آپ نے پندرہ بیس منٹ ہی تقریر کی تھی کہ اس سڑک پر جو جھنگ کو جاتی ہے تین چار سو نوجوان باقاعدہ تنظیم کے ساتھ لیفٹ رائٹ کرتے ہوئے جلسہ گاہ کے قریب پہنچ گئے۔ حکیم صاحب آپ کے ساتھ کرسی پر تشریف فرما تھے انہوں نے کہا کہ آپ ان لوگوں کی پرواہ نہ کریں۔ تقریر جاری رکھیں۔ چنانچہ آپ نے تقریر جاری رکھی جب ایک گھنٹہ کے قریب وقت گذر گیا۔ تو شر پسند لوگوں نے یہ سمجھکر کہ یہ تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ایک نوجوان کو جلسہ گاہ میں گڑبڑ کرنے کے لئے بھیج دیا۔ جس نے آتے ہی یہ کہا کہ نیا نبی نہیں آسکتا۔ پرانا نبی آسکتا ہے جس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت مرزا صاحبؑ نبی نہیں کہلا سکتے۔ حضرت عیسےٰؑ جو پرانے نبی ہیں اور آسمان پر اسی خاکی جسم کے ساتھ تشریف فرما

ہیں وہ آئیں گے۔ آپ کا مضمون چونکہ سیرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ اور ابھی آپ نے تقریر بھی ختم نہیں کی تھی۔ ایک غیر احمدی نوجوان نے جو محترم حکیم صاحب کے عزیزوں میں سے تھا۔ اس معترض کو کہا کہ آپ خاموش رہیں تقریر ختم ہونے کے بعد نفس مضمون پر کوئی اعتراض پیدا ہو۔ تو کریں مگر اُسے اپنے ساتھیوں کی طاقت پر گھمنڈ تھا۔ اس نے کہا نہیں میں یہی اعتراض کروں گا اور جب تک جواب نہیں دیا جائے آگے چلنے نہیں دوں گا۔ اس پر دوسرے روکنے والے غیر احمدی نوجوان نے کھڑے ہو کر اسے ایسے زور سے تھپڑ مارا کہ وہ تاب نہ لا کر گر گیا۔ بس پھر کیا تھا اس کے ساتھی حملہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ محترم حکیم صاحب آرام سے اپنی کرسی سے اُٹھے اور اس مجمع کے پاس جا کر انہیں کہا کہ دیکھیئے جلسہ ہمارا ہے آپ لوگوں کا نہیں آپ جلسہ خراب کرنے کی کوشش نہ کریں اگر سننا چاہتے ہیں تو سُنیں ورنہ تشریف لے جائیں۔ مگر وہ کہاں نصیحت سنتے تھے وہ تو آئے ہی فساد کی نیت سے تھے۔ ان کو یہ موقع ہاتھ آگیا۔ اور ان کے سرغنوں اپنے نوجوانوں کو لڑائی کے لئے تیار ہونے کا حکم دے دیا۔ اس پر حکیم صاحب واپس آگئے اور اپنے نوجوانوں کو کہا کہ تم بھی تیار ہو جاؤ۔ اس پر جماعت کی طرف سے صرف چھ نوجوان اُٹھے تین احمدی اور تین غیر احمدی۔ اپنے اپنے گھروں سے ساتھ ہی تھے فوراً لاٹھیاں لے آئے۔ [illegible] جلسہ گاہ میں پہنچے تھے کہ مخالفین نے حملہ کر دیا [illegible] بارہ منٹ تک اس قدر جم کر لڑائی ہوئی کہ لاٹھیوں کی آواز سے سارا محلہ گونج اٹھا۔ مگر جماعت کے نوجوانوں کے مقابلہ میں آنے کی وجہ ان پر اس قدر دہشت طاری ہوئی کہ دس بارہ منٹ کے بعد میدان بالکل خالی تھا۔ تمام حملہ آور بھاگ گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان کے تیس بتیس آدمی بُری طرح زخمی ہوئے ہیں ایک کی تو پسلی بھی ٹوٹ گئی تھی۔ ابھی میدان خالی ہی ہوا تھا۔ کہ سب انسپکٹر پولیس جن کا مکان کہیں نزدیک ہی تھا۔ آن پہنچے اور پوچھا کہ لڑائی کیوں ہوئی۔ اور لڑنے والے لوگ کون تھے؟ حکیم صاحب نے کہا کہ ہم سیرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم کا جلسہ کر رہے تھے۔ شر پسندوں نے ہم پر حملہ کر دیا۔ ہم نے دفاع کیا۔ اور وہ بھاگ گئے۔ تھانیدار نے کہا وہ کون لوگ تھے۔ حکیم صاحب نے کہا جناب عالی ہمیں کیا پتہ! آپ تھانیدار ہیں اپنے ذرائع سے معلوم کر لیں۔ اس پر تھانیدار صاحب چلے گئے۔

دوسرے روز حکیم صاحب محترم نے پھر ڈھنڈورچی کو بلا کر اجرت دی اور پھر دونوں شہروں میں جلسہ کی منادی کرا دی۔ اس روز تو معاندین نے اس قدر تیاری کی کہ دونوں شہروں میں سارا دن تمام فتنہ سازوں نے اپنی دکانیں بند رکھیں اور ارد گرد کے دیہات میں بھی جماعت کے خلاف خطرناک پراپیگنڈہ کیا۔ چنانچہ احباب جماعت نے اپنے کانوں سے بعد عصر مضافات میں

جنگ کے ڈھول بجتے سُنے۔ حکیم صاحب کے تینوں نوجوان جو غیر احمدی تھے اور جنہوں نے گذشتہ روز جماعت احمدیہ کی طرف سے دفاع کیا تھا۔ انہوں نے حکیم صاحب سے کہا کہ جن کارخانوں میں ہم کام کرتے ہیں ان کے مالکان نے ہمیں بلا کر افسوس سے کہا کہ تم ہمارے ہم مذہب ہو کر کل مرزائیوں کے ساتھ لڑو۔ ہم نے کہا کہ حکیم صاحب کے ہم پر اتنے احسان ہیں کہ ہم کسی صورت میں بھی ان کے مقابلے میں کھڑے نہیں ہو سکتے اس پر انہوں نے کہا کہ اگر تم ہماری طرف سے نہیں لڑ سکتے۔ تو حکیم صاحب کو کہکر آج جلسہ بند کروا دو اور اگر حکیم صاحب تمہاری بات نہ مانیں تو تم لوگ اس جلسہ میں شامل نہ ہو۔ اس پر ہم نے ان سے وعدہ کیا۔ کہ ہم ان سے درخواست کر کے آج جلسہ بند کروا دیں گے۔ اگر ہم جلسہ بند نہ کروا سکے۔ تو ان کے جلسہ میں شامل نہیں ہوں گے۔ ان باتوں کا حکیم صاحب نے جو جواب دیا وہ سنہری حرفوں کے ساتھ لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا! عزیزو! اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ کل تمہاری وجہ سے اللہ تعالےٰ نے ہمیں غلبہ دیا تھا تو یہ خیال دل سے نکال دو۔ کیا عام حالات میں کبھی چھ آدمیوں نے تین چار سو افراد کو لڑائی میں شکست دی ہے؟! اگر نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو آج اگر تم نہ آئے تو بھی ہمیں یقین ہے کہ جس اللہ نے کل ہماری نصرت فرمائی تھی وہ آج بھی فرمائے گا۔ پھر فرمایا کہ بات یہ ہے کہ میں آپ لوگوں کی بات ضرور مان لیتا مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ "احراریوں" کی خواہش پوری ہو۔ اس پر ان نوجوانوں نے کہا کہ اچھا پھر ہم آج جلسے میں شامل نہیں ہوسکیں گے۔ حکیم صاحب نے فرمایا۔ آپ بے شک نہ آئیں ہم انشاء اللہ جلسہ ضرور کریں گے۔

ان کے جانے کے بعد مکرم شیخ صاحب نے حکیم صاحب کو کہا آج ہمیں جلسہ کی اطلاع پولیس کو ضرور دینی چاہیئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کل کا واقعہ اس قدر مشہور ہو چکا ہے۔ کہ دونوں شہروں اور مضافات میں اس کا عام چرچا ہے۔ پھر آج چونکہ وہ لوگ کل کی نسبت بہت زیادہ تعداد میں آئیں گے۔ اور حملہ کا امکان بھی قوی ہے۔ اس لئے ہمیں پولیس کو ضرور اطلاع دینی چاہیئے۔ آج اطلاع نہ دینا ہمیں مجرم ٹھہراتا ہے۔ غرض آپ کے زور دینے پر حکیم صاحب نے تمام حالات سے پولیس کو مطلع کر دیا۔ اور تھوڑی دیر میں ہی پانچ کنسٹیبل اور ایک حوالدار آ گئے۔ حکیم صاحب نے ان کی چائے اور مٹھائی سے تواضع کی۔ انہوں نے بتایا کہ جلسہ شروع ہونے پر پولیس کافی تعداد میں آ جائے گی۔ آپ بے فکر ہو کر جلسہ کے انتظامات کریں۔ چنانچہ رات نو بجے جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ شہر کے شریر جلسہ گاہ سے تھوڑے فاصلے پر جنگ کے کرتب لوگوں کو دکھانے لگے۔ دیہات کے لوگ بھی کافی تعداد میں لاٹھیوں سے مسلح ہو کر جلسہ گاہ کے ارد گرد تھوڑے فاصلے پر کمین گاہوں میں چھپ کر بیٹھ گئے اس انتظار میں کہ موقع ملنے پر فوراً حملہ کر دیں۔ ابھی وہ

ایسی تدابیر سوچ ہی رہے تھے کہ چار تانگوں میں پچیس سپاہی اور چار سب انسپکٹر ہتھکڑیوں اور ڈنڈوں سمیت آ کر خاموشی سے جلسہ گاہ میں بیٹھ گئے۔ شر انگیز لوگ دور کھڑے اپنی تنظیم میں مصروف تھے ایک مُخبر جو انہوں نے بھیجا تو وہ یہ دیکھکر حیران رہ گیا۔ کہ جلسہ کی نصف حاضری باوردی پولیس نوجوانوں پر مشتمل جلسہ کی رونق بڑھا رہی ہے۔ ادھر کچھ فاصلہ پر سرکنڈوں میں سے کسی نہ کسی دیہاتی کا سر نکلا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ ایسے ہی ایک سر کو دیکھ کر حکیم صاحب نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے سب انسپکٹر صاحب کو جو اشارہ سے دکھایا تو سب انسپکٹر اس تیزی سے اس طرف بھاگا کہ جیسے باز شکار پر جھپٹ مارتا ہے۔ پیچھے پیچھے چند سپاہی بھی دوڑے ان لوگوں نے تین آدمی پکڑ لئے اور دس بارہ لاٹھیوں پر قبضہ کر لیا۔ ان گرفتار شدہ لوگوں نے حکیم صاحب محترم کی منت سماجت کرتے ہوئے کہا کہ ہم آئندہ ایسی شرارت کبھی نہیں کریں گے۔ حکیم صاحب نے کہکر انہیں آزاد کروا دیا۔ پھر انہوں نے لاٹھیاں واپس لینے کی درخواست کی۔ مگر یہ نہ مانی گئی۔ کیونکہ اس صورت میں ان کے حملے کا کوئی ثبوت باقی نہ رہتا تھا۔ بہرحال جلسہ کی کارروائی خدا تعالےٰ کے فضل سے پوری کامیابی کے ساتھ ختم ہوئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

تیسرے روز پھر محترم حکیم صاحب نے ڈھنڈورچی کو بلایا مگر محترم شیخ صاحب نے کہا۔ کہ موجودہ حالات میں دو دن کا جلسہ کافی ہے۔ تیسرے روز شیخ صاحب نے واپس لاہور پہنچنا تھا۔ حکیم صاحب آپ کو الوداع کہنے کے لئے اڈہ پر آئے۔ دیکھا کہ وہاں بھی دو نوجوان مشتبہ حالات میں شیخ صاحب کے ارد گرد چکر لگا رہے تھے۔ آپ نے حکیم صاحب کو اشارہ کیا۔ انہوں نے ان کے ساتھ باتیں شروع کر دیں اور اس اثناء میں بس چل پڑی۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے کئی سال گھٹیانہ میں بخیر و عافیت جلسہ ہوتا رہا۔ اور کسی کو شرارت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

تبادلہ سرگودہا و قیام ربوہ

تقسیم ملک کے قریباً ایک سال کے بعد آپ کا تبادلہ سرگودہا میں ہوا۔ مکان کی بہت دقت ہوئی۔ جناب مرزا عبدالحق صاحب امیر صوبائی نے کمال ہمدردی اور اخلاص سے یہ پیشکش کی کہ محترم شیخ صاحب ان کی کوٹھی پر آ جائیں۔ درمیان میں ایک دیوار بنوا کر صحن کے دو حصے بنوا لیں گے۔ اس ہمدردی کا محترم شیخ صاحب کی طبیعت پر بہت گہرا اثر ہے۔ چونکہ کوٹھی شہر سے دُور تھی اور وہاں قریب سودے سلف کی کوئی دکان بھی نہیں تھی۔ اس لئے آپ اپنے محدود وسائل کے پیش نظر مشورہ کر کے محترم چوہدری بشیر احمد صاحب باجوہ نمبردار چک ۳۳ جنوبی کی مدد سے اس چک کے ایک متروکہ مکان میں منتقل ہو گئے۔ فجزاہما اللہ احسن الجزاء۔

چند ماہ بعد صدر انجمن کے دفاتر لاہور سے ربوہ منتقل ہو گئے اور آپ کو بھی وہاں بلوا کر نظارت دعوۃ و تبلیغ کے شعبہ نشر و اشاعت کا انچارج مقرر کر دیا گیا۔ اس وقت "التبلیغ" نام سے ایک چھوٹا سا رسالہ طبع ہونے لگا۔ جو بہت مقبول ہوا۔ اور جماعتوں میں اس کی خوب اشاعت ہوئی۔

شیخوپورہ میں تبادلہ

اس کے بعد آپ کا تبادلہ شیخوپورہ میں ہوا۔ قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب دام عزہٗ نے محترم شیخ صاحب کے لئے دعا بھی فرمائی اور فرمایا کہ نظارت کے حکم کی تعمیل میں برکت ہے وہاں کے امیر جماعت کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں وہ بہت ہی اچھے آدمی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ آپ نے وہاں مسجد میں ایک کمرہ اپنے قیام کے لئے لینا چاہا۔ لیکن جناب چوہدری محمد انور حسین صاحب امیر جماعت نے جن سے شیخ صاحب قطعاً ناواقف تھے اپنے ہاں لے گئے اور کہا کہ آپ میرے ساتھ رہیں گے۔ محترم شیخ صاحب ان کے ناقابل فراموش احسانات کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ میں اڑھائی سال تک ان کے ہاں مقیم رہا۔ اور آخری دن بھی میں نے یوں محسوس کیا گویا میں آج ہی بطور مہمان یہاں آیا ہوں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

متفرق بابت تبلیغ

غالباً ۱۹۵۰ء میں جڑانوالہ (ضلع لائلپور) کے ایک چک کے ایک زمیندار آئے۔ اور نظارت کو یہ بتا کر مکرم شیخ صاحب کو ساتھ لے گئے کہ مخالف فریق کے ساتھ شرط طے ہوئی ہے کہ اگر ہم فلاں تاریخ تک بخاری شریف سے صداقت مسیح موعودؑ ثابت کر دیں تو تمہیں احمدیت قبول کرنا ہوگی۔ ورنہ ہم غیر احمدی ہو جائیں گے۔ چنانچہ چک میں پہنچے تو غیر احمدیوں کی طرف سے میدان مباحثہ میں جلد پہنچنے کا اصرار ہوا۔ اس وقت پتہ چلا۔ کہ دارقطنی کی مشہور حدیث بابت کسوف و خسوف (ان لمھدینا اٰیتین الخ) دکھانی ہے۔ اور آج کی تاریخ مقرر ہے۔ بہت گھبراہٹ ہوئی کہ اب کیا بنے گا۔ اتنی جلدی ربوہ سے حدیث کی کتاب نہیں لائی جا سکتی۔ دعا کے بعد چوک میں جہاں بڑا بھاری مجمع تھا پہنچے۔ جڑانوالہ کے ایک نوجوان غیر احمدی مولوی سے مناظرہ شروع ہوا۔ وہ اس قدر دریدہ دہنی کرتا تھا کہ الامان و الحفیظ! شیخ صاحب محترم نے بہت نرمی اور ملائمت سے گفتگو شروع کی۔ ایک غیر احمدی معزز دوست نے خود بخود صدارت کے فرائض انجام دینے شروع کر دیئے۔ یہ خیال کر کے کہ شاید گنگاپور سے جو وہ بھی آٹھ دس میل پر ہے دارقطنی مل سکے۔ آپ نے ایک نوجوان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ پر توکل

کر کے آپ فوراً چلے جائیں۔ اور کتاب لے آئیں۔ ادھر مناظرہ طول پکڑ گیا۔ صدر شریف تھا لیکن تھا ہوشیار۔ ہر پندرہ بیس منٹ کے بعد کھڑا ہو کر کہتا کہ اس میں کوئی شک نہیں شک نہیں کہ احمدی مبلغ بڑا شریف اور متحمّل مزاج ہے۔ اور ہمارا عالم سختی کرتا ہے اور ناواجب الفاظ استعمال کرتا ہے اور اس وجہ سے ہم شرمندہ ہیں مگر چونکہ احمدی مبلّغ کتاب پیش نہیں کر سکا اس لئے ہم جیتے ہوئے ہیں اور احمدی احباب کو ہمارے ساتھ شامل ہونا پڑے گا۔ یہ گفتگو اتنی لمبی ہو گئی کہ مغرب کا وقت ہو گیا۔ اور صدر نے کہا کہ اب گفتگو ختم کر کے احمدیوں کو میدان میں آکر اعترافِ شکست کے ساتھ ترکِ احمدیت کا اعلان کرنا چاہیئے۔ ابھی وہ ان الفاظ کو کہہ ہی رہا تھا کہ احمدی نوجوان کتاب لے کر پہنچ گیا۔ محترم شیخ صاحب نے کتاب کو جو کھولا تو وہی صفحہ نکلا جو مطلوب تھا۔ اور آپ نے فوراً کتاب پیش کر دی۔ بس پھر کیا تھا مجمع دم بخود ہو گیا۔ اور دو تین منٹ تک کامل خاموشی طاری رہی۔ اس کے بعد تین غیر احمدی احباب نے اعلان کیا۔ کہ ہم احمدیت کی صداقت کے قائل ہو گئے ہیں ہماری بیعت لکھ لی جائے۔ چنانچہ اسی وقت بیعت کا فارم پُر کیا گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

قریباً پندرہ سال قبل آپ کرتو (ضلع شیخوپورہ) گئے۔ وہاں عیسائیوں کی تعداد بھی کافی ہے۔ ایک پادری ایک بڑے مجمع میں اسلام پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا۔ شیخ صاحب محترم نے اچانک پہنچ کر اسے للکارا تو وہ دم بخود ہو گیا۔ اور آپ کو وقت دینے سے انکار کر دیا۔ وہاں کے ایک غیر احمدی رئیس محترم چوہدری غلام علی صاحب نے از خود کہا کہ آپ لوگ اعتراضات کا جواب دینے کے لئے الگ جلسہ کریں میں ہر طرح امداد کروں گا۔ چنانچہ ان کی صدارت میں عیسائی آبادی کے درمیان ہی جلسہ ہوا۔ جو خوب کامیاب رہا۔ بعد میں چوہدری صاحب موصوف نے بتایا کہ آج ہی میں نے خواب دیکھا تھا کہ جناب مرزا صاحب (علیہ السلام) ہمارے گاؤں میں دو گھوڑوں والی فٹن میں سوار ہو کر تشریف لائے ہیں۔ ایک گلی سے گذرنا ہے۔ مگر کیچڑ کی وجہ سے گذرنا محال ہو رہا ہے۔ اتنے میں میں پہنچ گیا اور میں نے باگیں پکڑ کر فٹن کو وہاں سے گذار دیا اور کہنے لگے کہ میں سمجھتا ہوں کہ عیسائیت کا ردّ اور اسلام کی فتح چونکہ جناب مرزا صاحب کے اہم مقاصد میں سے ہے اور یہ مبارک جلسہ انہی اغراض کے ماتحت ہوا ہے۔ اور اس میں مجھے کچھ خدمت کا موقعہ مل گیا تھا اس لئے میری خواب پوری ہو گئی ہے بعد ازاں چوہدری صاحب سے تعلقات بڑھتے گئے اور محترم شیخ صاحب کی تحریک پر انہوں نے دو بچوں کو تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ میں داخل کرا دیا۔ جہاں دو سال تک انہوں نے تعلیم پائی۔ چوہدری صاحب مکرم اب تک ربوہ کی تعلیم اور پاکیزہ ماحول کا ذکر کرتے ہیں

اور واقعۂ مناظرہ بھی سُناتے ہیں۔

تقسیم ملک کے بعد مرکز ربوہ کا قیام اور خرید و تعمیر مکان کا انتظام

ملک تقسیم ہوا۔ اور عارضی طور پر سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا قیام لاہور میں ہوا۔ حضرت نواب محمد دین صاحبؓ کی وساطت سے حضور نے ربوہ والی جگہ حکومت سے خرید کی۔ اور اس مرکز میں زمین خریدنے والوں کو ایک سو روپیہ فی کنال کے حساب سے فروخت کرنے کا حضور نے اعلان فرمایا۔ محترم شیخ صاحب دعا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سامان کردے۔ اسی جمعہ کے بعد میاں عبدالواحد صاحب ریوڑی فروش نے آپ کو دو صد کا چیک دے کر کہا کہ ایک کنال اپنے لئے اور ایک کنال میرے لئے خرید لیں۔ اور آپ اپنی رقم جلسہ سالانہ پر مجھے دے دیں۔ جلسہ سالانہ سے چند دن قبل انہوں نے شیخ صاحب کو اس بارہ میں وعدہ یاد دلایا۔ اور عین وقت پر ایک دوست سے قرض مل گیا۔ حالانکہ اس کی اپنی حالت اچھی نہ تھی۔ اور آپ میاں صاحب موصوف کا قرض وقت پر ادا کرسکے۔

تعمیر مکان کے لئے بھی بہت فکرمندی تھی۔ عمارتی لکڑی کے لئے محترم چودھری ہدایت اللہ صاحب نمبردار چک ۳۵ جنوبی اور محترم چوہدری شبیر محمد صاحب مرحوم نمبردار چک نمبر ۳۳ جنوبی اور بعض دیگر احباب نے آپ کا ہاتھ بٹایا۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ۔

دفتر آبادی ربوہ کی طرف سے اعلان ہوا کہ محلہ ۱۔ (حال دارالرحمت) میں جن کو تعمیر مکان کے لئے زمین کے ٹکڑے ملے ہیں وہ فلاں تاریخ تک اینٹوں کے لئے تین تین صد روپیہ جمع کرادیں۔ ورنہ زمینیں واپس لے کر ان کو کسی دوسرے محلہ میں جگہ دی جائیگی محترم شیخ صاحب نے دعا کی کہ رقم میسر آجائے ورنہ کسی اور جگہ ملنے سے کس کام آئے گی تاریخ مقررہ میں ایک یا دو روز باقی تھے۔ کہ عشاء کے بعد آپ سونے لگے تھے کہ ایک دیہاتی مبلغ نے آکر دستک دی اور تین صد روپیہ امانت رکھنے کو دیا۔ اور اجازت دی کہ بے شک نصف سال بعد واپس کردیں آپ سجدۂ شکر بجا لائے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آڑے وقت میں نصرت فرمائی۔ پھر آپ نے نصف قطعہ ساڑھے پانصد روپیہ میں فروخت کرکے ان کا قرض ادا کر دیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے مکان کی تعمیر کی بھی توفیق عطا کی۔ اور ٹاؤن کمیٹی ربوہ میں ہمسایہ دوست کو ان کے نقشہ کی منظوری کے وقت اس امر کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ جس سے مکرم شیخ صاحب کو اس نقصان کی تلافی ہوگئی۔ جو نصف قطعہ فروخت کرتے وقت ہوئی تھی اور قریباً اتنا خرچ آپ کا بچ گیا۔

جمع روایات

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے جلسہ سالانہ ۱۹۳۷ء میں نظارت تالیف و تصنیف کو توجہ دلائی کہ چونکہ صحابہ کی تعداد کم رہ گئی ہے اس لئے جمع روایات کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۳۸ء میں محترم شیخ صاحب کو اس کام پر متعین کیا گیا۔ آپ نے خط و کتابت کرکے اور لائل پور۔ گوجرانوالہ۔ بٹالہ۔ امرت سر۔ لاہور۔ گجرات وغیرہ شہروں اور دیہات کا سفر کرکے روایات جمع کیں۔ اور یہ رجسٹر روایات خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہیں۔ ان صحابہ میں سے لاہور کے حضرت میاں عبدالعزیز صاحب المعروف مغل اور حضرت بابو غلام محمد صاحب فورمین کی روایات خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کے بیش بہا خزائن پر مشتمل ہیں۔ شیخ صاحب مکرم ان بزرگوں کو روزانہ سُنا کر ان کے دستخط لیا کرتے تھے[1]

تذکرہ کی تالیف

محترم شیخ صاحب بیان کرتے ہیں کہ:۔

مجھے اس امر کا خاص فخر حاصل ہے کہ استاذی المکرم حضرت مولوی صاحبؓ کے ساتھ مجھے کافی دیر تک کام کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ تذکرہ جب پہلی دفعہ مرتب ہوا تو اس کی تیاری کے سلسلہ میں حضرت مولوی صاحبؓ اور خاکسار کو نامزد کیا گیا۔ ہم نے آپس میں تقسیم کار کے لئے یہ امر طے کیا تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب اور سلسلہ کے دوسرے لٹریچر سے حضرت مولوی صاحبؓ حضرت اقدس کے الہامات اور رؤیا جمع فرمائیں گے اور اخبارات الحکم اور بدر وغیرہ سے خاکسار الہامات اور رؤیا جمع کرے گا۔ چنانچہ اس تقسیم کے مطابق کام ہوا۔ اور پھر آخر میں مل کر بھی نظر ثانی کی گئی۔ بقیہ مراحل پروف ریڈنگ وغیرہ کے لئے اخویم محترم مولوی عبدالرشید صاحب زیروی کی خدمات حاصل کی گئیں[2]

---

[1] سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ بابت ۳۹-۱۹۳۸ء میں مرقوم ہے کہ نو رجسٹرات مشتمل بر قریباً اڑھائی ہزار صفحات میں اس سال روایات درج کی گئیں۔ نیز ایک صد نو تبرکات کی اطلاع برائے ریکارڈ اخبارات میں شائع کی۔ (صـــ) اور ۴۰-۱۹۳۹ء کی اس کام کے متعلق رپورٹ میں مرقوم ہے کہ دو صد چھیاسٹھ صحابہ سے روایات محترم شیخ صاحب نے حاصل کیں۔ جو قریباً بارہ صد صفحاتِ رجسٹر پر درج کی گئیں بیس تبرکات کا الفضل میں اعلان کرایا (صـ۱۳۳) ایک غیر مسلم کی روایت آپ کے ذریعہ الفضل ۱۲/۳/۳۸ میں شائع ہوئی (صـ۴)

[2] حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ناظر تالیف و تصنیف "عرض حال" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"ابتداء میں حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس مجموعہ کی ترتیب و تدوین کے متعلق ایک سب کمیٹی تجویز فرمائی تھی جس نے باہمی مشورہ کے بعد ضروری اصول طے کئے۔ اس کے بعد جمع و ترتیب کا عملی کام مولانا محمد اسمٰعیل صاحب فاضل اور شیخ عبدالقادر صاحب کے سپرد کیا گیا (تذکرہ طبع اول صـ۱)

آپ کی تصنیفات

محترم شیخ عبدالقادر صاحب کو بفضلہ تعالےٰ بیسیوں ٹریکٹ لکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ تقسیم ملک کے بعد انچارج نشر و اشاعت کے طور پر آپ نے "التبلیغ" نام سے غالباً پندرہ روزہ ٹریکٹوں کا سلسلہ جاری کیا۔ جو بہت مقبول ہوا۔ آپ نے لاہور میں عیسائیوں کے ایک ٹریکٹ "خاتم النبیین" کا جواب شائع کیا۔ اور اسے اللہ تعالےٰ نے اس قدر مقبولیت عطا کی کہ اب تک احباب اس کا مطالبہ کرتے ہیں۔ عیسائیوں نے اس کی اشاعت پر اخبارات میں احتجاج کیا۔ ضبطی کی درخواستوں پر مشتمل ریزولیوشن پاس کئے۔ شکایت ہونے پر اس وقت کے وزیر اعلیٰ مغربی پاکستان ڈاکٹر خان صاحب نے اس کا لفظاً لفظاً مطالعہ کرنے کے بعد فرمایا۔ کہ مجھے تو اس میں کوئی بات بھی قابل اعتراض نظر نہیں آتی۔ کیا کوئی حوالہ غلط دیا گیا ہے یا کوئی سخت لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جو بات محل نظر ہے۔ اس کی نشان دہی کریں۔ مگر وہ کچھ جواب نہ دے سکے۔ اس پر شیخ صاحب کو بعض عیسائی نوجوانوں نے قتل کی دھمکیوں پر مشتمل چٹھیاں لکھیں۔ اس کے بعد عیسائیوں نے اپنے ٹریکٹ کو خود گورنمنٹ کو درخواست کر کے ضبط کروایا۔ جس سے ان کا منشا یہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ بار بار جواب شائع ہو کر ان کے دلائل کی نامعقولیت واضح ہو۔

آپ کی مستقل تصانیف دو ہیں اور دونوں کے دو دو ایڈیشن نکل چکے ہیں اور اللہ تعالےٰ نے ہر دو کو بے حد مقبولیت بخشی۔ "حیات طیبہ" طبع اول کی ساری جلدیں جو ایک ہزار تھیں بائیس دن میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئیں۔ چار ماہ کے اندر اپریل ۱۹۶۰ء میں گیارہ صد کی تعداد میں طبع کرائی گئی۔ قریباً سوا سال میں اس کے آٹھ صد نسخے فروخت ہو چکے ہیں۔

(۱) سیرت سید الانبیاء (سائز مثل کتاب ہذا۔ صفحات ۱۶۰) جنوری ۱۹۳۶ء میں ناظر تالیف و تصنیف و ناظر تعلیم و تربیت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے نصرت گرلز ہائی سکول قادیان کے نصاب کے لئے سیرۃ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم و سیرت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تالیف کا کام محترم شیخ عبدالقادر صاحب کے سپرد فرمایا چنانچہ آپ نے کراچی کی تعیناتی کے دوران ہر دو کے مسودات تیار کئے۔ پہلی کتاب کا نام حضرت

بقیہ حاشیہ:- "اس مجموعہ کی تالیف میں بہت سے دوستوں نے حصہ لیا ہے مگر ان میں سے تین خاص طور پر قابل شکریہ ہیں۔ یعنی اول مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مولوی فاضل پروفیسر جامعہ احمدیہ جو گویا اس کام کے اصل انچارج اور ذمہ دار تھے۔ دوم شیخ عبدالقادر صاحب مولوی فاضل مبلغ سلسلہ احمدیہ جو مولانا موصوف کے دست و بازو تھے اور سوم مولوی عبدالرشید صاحب مولوی فاضل جنہوں نے بعد میں تالیف کے بقیہ مراحل سرانجام دیئے اور کاپیوں اور پروفوں کے دیکھنے میں بڑی محنت سے کام لیا ہے۔ یہ ہر سہ دوست اپنی مخلصانہ خدمت کی وجہ سے خاص شکریہ اور دعا کے مستحق ہیں۔
فجزاھم اللہ خیراً" (صہ)

صاحبزادہ صاحب نے "سید الانبیاء" (صلعم) رکھا۔ آپ کی خواہش پر کہ جوبلی کے موقعہ پر ۱۹۳۹ء میں یہ کتاب طبع ہو سکے۔ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؓ نے باوجود مالی تنگی کے اپنے خرچ پر شائع فرمایا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب اور حضرت مولانا صاحب، حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب نے اس کا مسودہ بغور مطالعہ فرمایا اور قیمتی ارشادات سے نوازا۔ اور حضرت مولانا صاحبؓ نے تو متعدد مقامات پر زبان اور واقعات کی قابل قدر اصلاح فرمائی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرۃ۔

(۲) "حیات طیبہ" (صفحات طبع دوم ۴۹۳۔ سائز مثل کتاب ہذا) یہ کتاب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت و سوانح پر مشتمل ہے اسے محترم شیخ صاحب کی درخواست پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ نے کراچی میں (جبکہ شیخ صاحب وہاں متعین تھے) بالاستیعاب مطالعہ فرمایا۔ اور بعض صفحات پر اپنی قلم مبارک سے نہایت قیمتی نوٹ بھی تحریر فرمائے۔ افسوس کہ تقسیم ملک کے وقت یہ مسودہ قادیان میں رہ گیا۔ حضور کے ایک نوٹ کا خلاصہ آپ کو یاد ہے۔ آپ نے پنڈت لیکھرام کے متعلق پیشگوئی کے ذکر میں بعض سخت الفاظ بھی استعمال کئے تھے۔ حضور نے اس پر نوٹ دیا کہ سخت الفاظ استعمال کرنے سے ہمیشہ احتراز کرنا چاہیئے۔ واقعات کی تفصیل سامنے آجانے سے پڑھنے والا خود بخود اچھا یا بُرا نتیجہ اخذ کر لیتا ہے۔

دوبارہ اس کتاب کی تالیف کی تیاری کا یہ سبب ہوا کہ محترم امیر صاحب جماعت احمدیہ شیخوپورہ نے نمائندگان ضلع کے اجلاس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے حالات کا گہرا مطالعہ کرنے کی تحریک کی۔ اس وقت بھی محترم شیخ صاحب نے اس کتاب کی تالیف کا عزم کر لیا۔ دوم کچھ عرصہ سے آپ کو رات کو کثرت سے آوازیں آتی تھیں کہ "امتحان کی تیاری کر لو۔ امتحان کی تیاری کر لو"۔ اور آپ نے زاد راہ کے طور پر اس کی تالیف شروع کر دی۔ اور سات آٹھ ماہ کے قلیل عرصہ میں تالیف بھی ہوئی اور زیور طبع سے مزین ہو کر یہ مفید کتاب احباب کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔ بارک اللہ فی علمہ و عمرہ و دینہ۔ آمین

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ظلہ نے اس کے مسودہ کے ایک حصہ کا مطالعہ فرمایا اور تحریری ہدایات دیں۔ اور آپ کے ارشاد پر حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری جیسے صاحب علم اور پرانے بزرگ کو سارا مسودہ سنا کر پیش قیمت اصلاحات سے استفادہ کیا۔ بلا مبالغہ سینکڑوں افراد نے اس کی تالیف پر آپ کو مبارکباد دی۔ حضرت حافظ صاحب موصوف، جناب چوہدری سر محمد ظفراللہ خان صاحب، جناب قاضی محمد اسلم صاحب (صدر شعبہ

نفسیات کراچی یونیورسٹی) جناب شیخ بشیر احمد صاحب جج ہائیکورٹ مغربی پاکستان۔ مؤقر روزنامہ الفضل۔ جناب مولانا جلال الدین صاحب شمس۔ جناب چوہدری محمد انور حسین صاحب امیر جماعت شیخوپورہ۔ حضرت مولانا محمد دین صاحب ناظر تعلیم۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب۔ حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب (ناظر امور خارجہ) اور جناب چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیرسٹر امیر جماعت شہر وضلع لاہور کے اسمائے گرامی اس امر کی کافی ضمانت ہیں کہ ان کے تبصرے مبنی بر حقیقت ہیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب سلمہ الرحمٰن (ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد) نے اس کا دیباچہ رقم فرمایا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ رقم فرماتے ہیں:۔

"یہ کتاب خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے لٹریچر میں ایک بہت عمدہ اضافہ ہے۔ غالباً ایک جلد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس قدر جامع اور مرتب سوانح عمری اس وقت تک نہیں لکھی گئی۔ واقعات کی حتی المقدور تحقیق و تدقیق اور ترتیب اور موقعہ بہ موقعہ مناسب تبصرہ جات نے اس کتاب کی قدر و قیمت میں کافی اضافہ کر دیا ہے۔ اور ضروری فوٹو بھی شامل ہیں کتاب کا مطالعہ کرنے والا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بلند و بالا شخصیت اور تبلیغ اسلام کے لئے آپ کی والہانہ جد وجہد سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ...... اس قابل ہے کہ نہ صرف جماعت کے دوست اسے خود مطالعہ کریں۔ بلکہ غیر از جماعت اصحاب میں بھی اس کی کثرت کے ساتھ اشاعت کی جائے۔"

حضور کی بیدار مغزی اور ذہانت اور حضور کی نوازشات

ایک دفعہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز معہ قافلہ سندھ سے واپس پنجاب تشریف لا رہے تھے کراچی سے آکر مکرم شیخ عبد القادر صاحب بھی حیدر آباد میں حضور کے قافلہ کے ساتھ شامل ہو گئے۔ حیدر آباد تک حضور کو الوداع کہنے کے لئے احمدیہ اسٹیٹس سے چوہدری محمد یوسف خاں صاحب ایل ایل۔ بی ایجنٹ اسٹیٹس (حال مقیم کراچی) بھی آئے ہوئے تھے۔ وہ بخار کی بیہوشی یا خود فراموشی کی وجہ سے ایک نہایت ہی قیمتی چیک اپنے کپڑوں میں لپٹا ہوا ایک انٹر کلاس کے بڑے لمبے ڈبے میں بھول گئے حیدر آباد سے روانگی کے دو اڑھائی گھنٹہ کے بعد راستے میں کسی اسٹیشن پر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں چوہدری صاحب کا حیدر آباد سے اس بارے میں تار پہنچا انٹر کلاس کا یہ بڑا ڈبہ حضور کے سیکنڈ کلاس کے ڈبے سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ حضور فوراً اس ڈبے میں سوار ہوئے اور شیخ صاحب کو فرمایا کہ آپ باہر کی طرف سے ہمارے سیکنڈ کلاس کے ڈبے کی طرف دیکھتے رہیں اس میں مستورات ہیں

کوئی دشمن شرارت نہ کر بیٹھے۔ گاڑی اس قدر تیز رفتاری سے چل رہی تھی کہ گرد و غبار اور کنکروں کی وجہ سے آنکھ کھولی نہیں جاتی تھی جب اگلے سٹیشن پر گاڑی کھڑی ہوئی تو آپ کا حلیہ بگڑ چکا تھا۔ حضور نے آپ کو دیکھ کر فرمایا کہ آپ تو پہچانے بھی نہیں جاتے۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے کمرہ میں داخل ہوتے ہی فوراً ایک طرف سے تمام مسافروں کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ کمرہ بہت لمبا تھا۔ اور کئی مسافر سوئے ہوئے تھے۔ حضور کی بیدار مغزی اور ذہانت دیکھئے کہ حضور نے تھوڑی دیر میں ہی ایک سوئے ہوئے مسافر کے سر کے نیچے سے چوہدری صاحب کے وہ کپڑے نکال لئے جن میں وہ قیمتی چیک بھی تھا۔

۱۹۴۰ء کے بعد مبلغین کو بوجہ مہنگائی سخت تنگ دستی کا سامنا کرنا پڑا اور نامعلوم وجوہ کی بناء پر ان کے گذاروں میں اضافہ نہ ہوا۔ محترم شیخ صاحب نے سیدنا حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک نقشہ پیش کیا کہ ۱۹۴۰ء اور پھر ۱۹۵۲ء میں مبلغوں اور کلرکوں کے گذارے کیا تھے۔ اور دونوں میں نمایاں تفاوت ظاہر تھا۔ اس پر حضور کے ارشاد پر بوجہ مبلغوں کے تجربہ اور تعلیم کے لحاظ سے کلرکوں پر فائق ہونے کے ان کے لئے موجودہ زیادہ گریڈ مقرر کئے گئے۔ اور یہ امر ان کے لئے سہولت و اطمینان کا موجب ہوا۔ محترم شیخ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ہمیشہ ہی حضور آپ پر نوازشات فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ ملاقات میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے بہت سے مسائل کے متعلق کافی دیر تک گفتگو فرمائی۔ چنانچہ ایک بات یہ بھی بیان فرمائی کہ جس طرح یورپ وغیرہ ممالک میں لوگ بعض اختلافات کی بناء پر کام سے استعفاء دے دیتے ہیں اسلام میں یہ امر جائز نہیں جو سمجھے کہ میں کام نہیں کر سکتا اسے چاہیئے کہ استغفار کرے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی سہولت پیدا کر دے گا۔

قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی نوازشات

تین چار سال کا عرصہ قبل آپ ایک مرتبہ لاہور سے ربوہ گئے۔ آپ کے سر پر ٹوپی تھی۔ مسجد میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سے مصافحہ کا شرف حاصل کیا۔ فرمایا۔ آپ نے ٹوپی کیوں پہن رکھی ہے۔ میں نے عرض کیا۔ حضور ٹوپی پہننے میں خرچ بہت کم اٹھتا ہے۔ نیز پگڑی کو بار بار دھونا پڑتا ہے۔ حضرت ممدوح نے نماز کے بعد مکان پر آنے کو کہا۔ آپ کو کچھ حجاب سا محسوس ہوا۔ لیکن جناب مرزا عبد الحق صاحب نے مشورہ دیا کہ ضرور جانا چاہیئے۔ اس مشورہ میں بیس پچیس منٹ گذر گئے۔ آپ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ حضرت مرزا عزیز احمد صاحب کے ہاں تشریف لے گئے ہیں۔ مگر خادم کو آپ فرما گئے ہیں۔ کہ شیخ صاحب جب آئیں تو مجھے

بلا لینا۔ چنانچہ آپ چند لمحات کے اندر ہی تشریف لے آئے۔ اور فرمایا۔ میں نے آپ کا بہت انتظار کیا۔ اچھا ہوا آپ آگئے۔ پھر آپ نے ایک نہایت ہی عمدہ باریک ململ کی پگڑی عنایت فرمائی۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمّد و آلِ محمّد۔

حضرت ممدوح کے دل میں ہر وقت یہ خواہش رہتی ہے کہ جماعت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کے نقشِ قدم پر چلنے والی ایک جماعت ہر وقت موجود رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام چونکہ پگڑی پہنا کرتے تھے۔ اس لئے آپ چاہتے ہیں کہ لباس کے لحاظ سے بھی حضورؑ کی متابعت کی جائے۔ چنانچہ اس جذبہ کے ماتحت حضور نے شیخ صاحب محترم کو پگڑی عنایت فرمائی۔

حضرت ممدوح کی متابعتِ حضرت مسیح موعودؑ کا اس امر سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ایک روز آپ مغرب کی نماز کے لئے مسجد مبارک میں تشریف لائے۔ تو محترم شیخ صاحب سے فرمایا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمیشہ پورا لباس پہن کر باہر تشریف لاتے تھے مگر آج گرمی اس قدر شدید ہے کہ مجھ سے کوٹ برداشت نہیں ہو سکا۔ اس لئے میں نے حضرت اقدسؑ کی سنت کو اس طرح پورا کیا کہ بازو پر رکھ لیا۔ اَللّٰھُمّ صلِّ علیٰ محمّد و آلِ محمّد۔

ایک دفعہ محترم شیخ عبدالقادر صاحب نے دورہ پر باہر جانا تھا۔ آپ حضرت موصوف سے بعض مسائل پوچھنا چاہتے تھے۔ دفتر کے باہر سے آپ نے السلام علیکم کہا اور عرض کی کہ حضرت اگر اجازت ہو تو دو تین منٹوں میں ایک مسئلہ دریافت کر لوں۔ فرمایا۔ آج میں بیحد مصروف ہوں۔ شیخ صاحب نے کہا۔ کیا مغرب کے بعد مکان پر حاضر ہو جاؤں۔ فرمایا۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ مغرب کا وقت آج میں داخل نہیں تو آجائیں۔ پھر فرمایا۔ اذا قیل لکم ارجعوا فارجعوا ھو ازکیٰ لکم۔ سفر سے واپس آنے کے بعد بھی چند دن آپ ملاقات نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ اس واقعہ کو پندرہ روز گذر گئے۔ ایک روز آپ دفتر کے سامنے کرسی پر بیٹھے تھے۔ کہ اچانک پیچھے کی طرف سے ایک ہاتھ آپ کے کندھے پر پڑا۔ مڑ کر دیکھا تو وہ ہاتھ حضرت قمر الانبیاء کا تھا۔ آپ کے ساتھ حضرت مرزا عزیز احمد صاحب حضرت مولوی محمد دین صاحب اور غالباً ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے تھے۔ آپ نے نہایت ہی شفقت سے فرمایا۔ اس روز میں نے کچھ درشت الفاظ استعمال کئے تھے۔ معذرت چاہتا ہوں۔ آپ پھر ملے نہیں۔ آپ نے یہ معذرت فرمائی۔ حالانکہ آپ نے تو ارشاد خداوندی اور اخلاق نبویؐ کا درس دیا تھا۔
اَللّٰھُمّ صلّ علیٰ محمّد و آلِ محمّد۔

آپ کی سیرت | محترم شیخ صاحب کی طبیعت، سادگی۔ جرأت ایمان، سنجیدگی، دین کیلئے

غیرت اور درد، خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے محبت، خلافت سے وابستگی، دعاؤں میں شغف استجابتِ دعا۔ توکل علی اللہ، جذبۂ خدمتِ دین، صبر و قناعت اور انکسار گویا اخلاق زہد و اتقا کا مرقع ہے۔ آپ موصی ہیں اور تحریک جدید کے پانچہزاری مجاہدین دفتر اوّل میں بھی شامل ہونے کا آپ کو موقعہ ملا۔ اور آپ نے قریباً ساڑھے پانصد روپیہ ادا کیا۔ (ص ۸۷)

اللہ تعالیٰ کا آپ پر خاص الخاص فضل ہوا کہ آپ کو نور اسلام سے منور کیا۔ اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاص توفیق عطا کی۔ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

الحاج محمدؐ المغربی الاحمدیؓ

خاکسار مؤلف کی درخواست پر اخویم محترم چوہدری محمد شریف صاحب (سابق مبشر بلادِ اسلامیہ حال مجاہد گیمبیا۔ مغربی افریقہ) نے ذیل کے حالات چند ماہ قبل رقم کر کے ارسال فرمائے ہیں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرۃ۔ یہ آپ کے الفاظ میں معمولی اختصار کے ساتھ درج ہیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

جو کچھ خاکسار کو الحاج محمد المغربی رضی اللہ عنہ کو تقریباً ۱۸ سال تک متواتر دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اور پھر تقریباً چودہ پندرہ سال ان کا ہمسایہ دیوار بہ دیوار رہا۔ اور رات دن ایک جگہ رہنے کی وجہ سے بہت سا قرب پیدا ہو جاتا ہے۔ حاجی صاحب مرحوم و مغفور بہت کچھ واقعات اپنے سنایا کرتے تھے میں نے چیدہ چیدہ واقعات نہ بھولنے والے لکھ دیئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کو بہشت کے اعلیٰ مقام میں جگہ دے۔ ان کی محبت بھلائے نہ بھولیگی۔ میرے بچوں کے ساتھ وہ بہت پیار کرتے تھے۔ سب کو کھلایا بھی کرتے تھے۔ اور بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میری ایک بچی نصیرہ بیمار ہو گئی اور کسی نے آکر جب ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے مجھے خبر دی کہ شاید نصیرہ فوت ہو گئی ہے آکر دیکھ لیں۔ میں اس وقت کسی ضروری میٹنگ میں تھا فوراً نہ جا سکا۔ جب حاجی صاحب کو کسی نے بتایا تو انہوں نے بہت افسوس کیا اور کہا یہ لڑکی بہت پیاری اور بڑی اچھی تھی۔ مجھے ہمیشہ اذان کے لئے آکر "یَا سَیِّدِیْ اَذِّنْ" (دادا جان اذان دیدیں) کہا کرتی تھی (کیونکہ حاجی صاحب کو اذان کے وقت کا بوجہ معذوری پتہ نہ ہوتا تھا۔ اور میں نے ان کے کہنے پر نصیرہ کو اس غرض کے لئے مقرر کیا ہوا تھا) اور دعا کی کہ خدا کرے زندہ ہی ہو۔ یہ لڑکی اب بفضلہ تعالےٰ نویں جماعت میں ہے اور حاجی صاحب اس سے بہت خوش ہوتے تھے۔ کہا کرتے تھے میں نے نصیرہ تیرے لئے دعا کی تھی کہ خدا کرے تو شفا پا جائے۔ کیونکہ تو مجھے اذان دینے کے لئے کہتی ہے۔ خود جب حاجی صاحب کبابیر میں آئے۔ تو میری بیوی بھی انہی کے ہاتھوں میں پلی اور میری بیوی کے نانا الحاج صالح عودہ کے ساتھ ان کے برادرانہ سے بھی بڑھ کر تعلقات تھے۔ خدا تعالےٰ ان دونوں کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ وہ تصویر کھنچوانے کے خلاف تھے لیکن ایک عید کے روز میں نے اچانک تصویر اتار لی تھی۔ جو محفوظ ہے۔

وطن اور ولادت تعلیم اور شادی

عرب "بلاد الغرب" کا لفظ بول کر شمالی افریقہ کے وہ ممالک مراد لیتے ہیں جہاں عرب آباد ہیں یعنی موجودہ لیبیا۔ تونس۔ مراکش اور الجزائر (الجیریا) عربوں کی اصطلاح میں "بلاد الغرب" یا "المغرب الاقصیٰ" ہیں۔

آج سے قریباً اسی نوّے سال قبل ہمارے الحاج محمد المغربی الاحمدیؓ تونس کے ایک گاؤں میں جو فاس یا مکناس کے قریب تھا پیدا ہوئے۔ آپ کا نام محمدؐ رکھا گیا۔ آپ کے والد ماجد اور دادا کے نام بھی محمدؐ ہی تھے۔ جس زمانہ میں آپ کی ولادت ہوئی اس وقت تعلیم کا رواج اسلامی ممالک میں نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لئے آپ نے بھی کوئی تعلیم حاصل نہ کی۔

قریباً ستو برس کی عمر میں اقرباء میں کسی عرب لڑکی کے ساتھ آپ کی شادی ہو گئی آپ کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی جس کے بعد اس کی والدہ فوت ہو گئی اور اپنی والدہ کے بعد غالباً یہ بچی بھی فوت ہو گئی۔

ان دونوں حادثات کے بعد آپکے دل میں یہ خواہش پیدا ہو گئی کہ آپ حج کے لئے مکّہ مکرمہ پہنچیں اور آپ اس نیک جذبہ کے ساتھ اپنے ملک کو خیرباد کہہ کر حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ ان ایام میں نقل و حمل کے موجودہ وسائل معدوم تھے اور اسلامی ممالک خواب غفلت میں مدہوش تھے۔ اس لئے آپ اپنے دیگر اہلِ ملک کی طرح ایک قافلہ میں اونٹوں پر اور پیدل حج کے لئے گھر سے نکلے۔

تونس سے لیبیا اور لیبیا سے مصر اور مصر سے سوڈان پہنچے۔ اور سوڈان سے کشتی میں سوار ہو کر مکّہ مکرمہ پہنچ گئے۔ اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور چند سال مکّہ مکرمہ میں مقیم رہ کر حج بجالاتے رہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں نے سترہ حج کئے ہیں۔ اور چونکہ آپ کے نزدیک مانگ کر کھانا گناہ تھا۔ اس لئے دن کے وقت کچھ مزدوری کر لیتے اور بقیہ وقت عبادت اور ذکرِ الٰہی میں گذارتے۔

یمن کو روانگی اور ایک بزرگ کی مریدی

چند سال کے بعد آپ یمن چلے گئے۔ اور ان کے اپنے الفاظ کے مطابق "سیدی محمد بن ادریس" کے مرید بن گئے۔ اس زمانہ میں سیدی محمد بن ادریس جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خاندان ہی سے تھے۔ وہاں "گدی نشین" اور اہل اللہ میں سے تھے۔ اور ان کا زاویہ (مہمان خانہ) بھی تھا جس میں ان کے مرید رہتے تھے۔ ان کا کام صرف عبادت اور ذکرِ الٰہی ہی تھا۔ اور وہ ان دنوں وہاں رسالتِ محمدیہ کی شمع کا کام دیتے تھے۔ اور ان کے

مریدوں کا یہ کام تھا کہ وہ اپنا پیٹ پالنے کے لئے مزدوری کر لیا کریں۔ اور بقیہ وقت ذکر الٰہی اور عبادت میں گزارا کریں۔

ان ایام میں ہمارے حاجی صاحب بھی اپنے مرشد کے حکم کے مطابق محنت و مزدوری کر کے اپنے لئے روٹی مہیا کرتے تھے۔ اور بقیہ وقت اپنے مرشد کی صحبت میں عبادت اور ذکر الٰہی میں گزارتے تھے۔ اور انہی ایام میں آپ نے قرآن شریف پڑھنا سیکھا اور حفظ کیا۔ قرآن شریف پڑھنے کا یہ طریق تھا۔ کہ ایک حصہ لکڑی کی تختی پر ہنڈیا کی کالک سے بنائی ہوئی سیاہی سے لکھ لیا جاتا اور پھر اس کو اس قدر پڑھا جاتا کہ وہ حفظ ہو جاتا۔ اور چوبیس گھنٹے تختی کا یہ سبق چلتا۔ اور ہر سال حج کے موسم میں اپنے مرشد کی معیت میں حج کے لئے مکہ مکرمہ آجاتے۔

پیر و مرید کی وابستگی حضرت مسیح موعودؑ کے دامن سے

اسی یمن کے اقامت کے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک عربی کتاب یا چند کتابیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے پہنچیں۔ حضرت محمد بن ادریس نے اپنے مریدوں کو جمع کیا جن میں ہمارے حاجی محمد المغربی بھی تھے۔ اور ان کو بتلایا کہ مہدی ہندوستان میں ظاہر ہو گیا ہے۔ اور اس کا نام احمد ہے۔ اور یہ اس کی کتاب یا کتابیں ہیں۔ میں ان کی تصدیق کرتا ہوں اور مہدی مانتا ہوں۔ تم سب بھی اس پر ایمان لے آؤ۔ "انہ صادق" وہ صادق ہیں۔ چنانچہ آپ کے سب مرید بھی آپ کے ساتھ ایمان لے آئے۔ اور ہمارے حاجی صاحب بھی ان سعید لوگوں میں سے ایک بہت بڑے سعادتمند تھے۔

حاجی صاحب ان کتابوں میں سے جو حصہ زبانی یاد رکھتے تھے ان میں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک شعر یہ ہے ؎

قضی اللہ ان الطعن بالطعن بیننا [۱]
فذالک طاعون اتاھم لیبصروا

یہ شعر اعجاز احمدی کا ہے اور اعجاز احمدی ۱۹۰۲ء کی تصنیف ہے اس شعر کے ساتھ اعجاز احمدی کے اور بھی کئی اشعار تھے۔ جو حاجی صاحب بڑے لطف اور محبت سے سنایا کرتے تھے۔
یہ کتاب ۱۹۰۲ء کے آخر یا ۱۹۰۳ء کے شروع میں پہنچی ہوگی۔ اس لحاظ ان سب کی بیعت اور حضرت محمد بن ادریس کا زمانہ تصدیق و بیعت حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۱۹۰۲ء

۱؎ (ترجمہ از حضرت مسیح موعودؑ) خدا نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ طعن کی سزا طعن ہے۔ بس وہ یہی طاعون ہے کہ ان کے ملک میں پہنچ گئی ہے۔ تا ان کی آنکھیں کھلیں۔ (ص ۶۳)

یا ۱۹۰۳ء متعین ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ رضی اللہ عنھم اجمعین۔ آمین [۱]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اور اس کے بعد ۱۸-۱۹۱۷ء تک جزیرہ عرب پر بھی ترکوں کی حکومت تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق جس کا حضرت مسیح موعودؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۱۸۹۹ء میں سفیر ترکی کے قادیان آنے پر علم دے دیا گیا تھا۔ اور حضرت اقدسؑ نے اسے سمجھا دیا تھا۔ جزیرہ عرب بھی ترکوں سے بیزار ہو رہا تھا۔ شریف مکہ مکرمہ اور سیدی محمد بن ادریس دونوں کے تعلقات بھی اس عرصہ میں خراب ہو گئے۔ سیدی محمد بن ادریس اپنے مولیٰ سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

فلسطین پہنچنا

ان کے مریدوں میں سے الحاج محمد المغربی مکہ مکرمہ میں کچھ عرصہ مزید قیام کر کے پہلی جنگ عظیم کے ختم ہونے کے بعد یا اس جنگ کے دوران میں ہی (اب مجھے یاد نہیں رہا) اپنے ملک کو واپس جانے کے لئے مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر ملک شام میں پہنچ گئے جو اس وقت موجودہ شام، فلسطین، اردن اور لبنان کا مجموعہ تھا۔ شام سے مصر اپنے ملک کو واپس جانے کے ارادہ سے پہنچے۔ مگر ایک طرف شمالی افریقہ میں اٹلی اور فرانس کی یورشیں جاری تھیں۔ اور دوسری طرف پاسپورٹ سسٹم جاری ہو چکا تھا۔ اور وہ اپنی تصویر پیش کرنے اور خاص مصیبت برداشت کرنے کے سوا ملتا نہیں تھا اور حاجی صاحب تصویر اتروانا گناہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ اہل حدیث کے نزدیک تصویر بنانا ناجائز ہے۔ اور ادھر اپنے وطن سے نکلے ہوئے ان کو سالہا سال گزر چکے تھے۔ اس لئے آپ مصر سے فلسطین آگئے اور حیفا میں رہائش اختیار کر لی۔ اس وقت حیفا کی بندرگاہ بن رہی تھی۔ اور حیفا کی آبادی تین چار ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ (اس کی اس وقت آبادی دس لاکھ سے زیادہ ہے) اس وقت یعنی ۲۲-۱۹۲۰ء میں انگریزوں کا قبضہ فلسطین پر ہو گیا ہوا تھا۔ آپ شہر میں رہتے تھے جس کا نام جامع الجرینۃ تھا اور وہ اب بھی موجود ہے۔ اور اس میں بہاء اللہ ایرانی کا بیٹا عباس بھی مسلمانوں کے ساتھ مل کر نمازیں پڑھا کرتا تھا۔ محترم حاجی صاحب دن کے وقت محنت مزدوری کر لیا کرتے تھے اور "روز کی روٹی روز" پر عمل کرتے تھے۔ آپ کو وہ کام پسند ہوتا جس میں زیادہ انہماک نہ ہو اور عبادت اور ذکر الٰہی کا وقت زیادہ سے زیادہ ملے۔

۱؎ اعجاز احمدی کے سرورق پر تاریخ طبع ۱۵ر نومبر ۱۹۰۲ء مرقوم ہے۔ ان ایام میں ڈاک پہنچنے میں بھی لمبا عرصہ صرف ہوتا تھا۔ (مؤلف)

قصبہ الطیرۃ میں قیام

۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۰ء تک آپ حیفا سے چار پانچ میل جانب
جنوب سمندر کے کنارے پر واقع قصبہ الطیرۃ نامی میں چلے گئے
ابتداء میں تو آپ قصبہ کے بچوں کو قرآن شریف پڑھاتے تھے۔ اور ان کے والدین آپ کو
روز کی روٹی بھیج دیتے تھے۔ پھر آپ نے یہ مشغلہ اختیار کر لیا۔ کہ اہل قصبہ کے کسی کھیت کی نگرانی
اپنے ذمہ لے لی۔ کھیت والے روزانہ کھانا آپ کو پہنچا دیتے۔ اور آپ اس کھیت میں اپنا
ڈیرہ لگا لیتے۔ سارا دن وہاں قرآن شریف پڑھتے اور عبادت کرتے رہتے۔ روٹی بھی
مانگنی نہ پڑی۔ کام بھی ہو گیا اور جنگل بھی عبادت کے لئے میسر آ گیا۔
انہی ایام میں اسی قصبہ الطیرۃ کے دو مخلص نوجوان سلیم محمد الربانی اور حسین علی
فرعون بطور شاگرد مل گئے۔ یہ دونوں نوجوان آپ کے ساتھ لگے رہتے اور آپ سے قرآن شریف
پڑھتے اور دینی باتیں سنتے رہتے۔ سلیم محمد الربانی تو خاص الطیرۃ میں رہتے تھے۔ حسین
فرعون الطیرۃ سے تقریباً دو میل دور جانب شمال "وادی السیّاح" میں اپنے مکان میں
رہتے تھے۔ مگر ان کا یہ مکان کبابیر سے متصل تھا۔ کبابیر کا گاؤں پہاڑ کے اوپر تھا۔ اور ان
کا مکان پہاڑ کے نیچے۔ اور کبابیر اور وادی السیّاح دونوں ۱۹۴۲ء تک طیرہ کے ہی
حصے شمار ہوتے تھے۔ لیکن اخویم چوہدری محمد شریف صاحب محترم فرماتے ہیں کہ ۱۹۴۲ء میں
ہم نے کبابیر اور وادی السیّاح کو (جہاں پانی کے دو تین بہت بھاری چشمے ہیں اور اہل کبابیر
وہاں سے پانی لیتے تھے۔ اور یہ چشمے ان کی ملکیت شمار ہوتے تھے۔ اور اس وقت نہ صرف
اہل کبابیر ہی ان چشموں سے پانی لیتے ہیں۔ بلکہ سارے جبل الکرمل کو یہی چشمے پانی مہیا کرتے
ہیں) حیفا شہر میں داخل کروا لیا۔ اور اسی وادی السیّاح میں حسین علی فرعون کا ایک قریبی
رشتہ دار یعقوب الظریفی بھی رہتا تھا۔

حضرت خلیفہ ثانی سے الشیخ عبدالقادر المغربی کی ملاقات اور شام میں احمدیہ مشن کا قیام اور اسکی برکات

۱۹۲۴ء میں سیدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح
الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
نے پہلا سفر یورپ اختیار فرمایا۔ اور
آپ اگست ۱۹۲۴ء میں مصر سے ہوتے ہوئے قنطرۃ کے راستہ بیت المقدس یا یروشلم
میں تشریف لائے۔ مفتی فلسطین الحاج محمد امین الحسینی نے بھی حضور کی دعوت کی۔ پھر فلسطین
کے قائم مقام ہائی کمشنر نے بھی آپ کی دعوت کی اور یہاں سے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ براستہ
نابلس حیفا۔ طبریا اور سمخ۔ دمشق تشریف لے گئے۔ وہاں سے بیروت (لبنان) اور لبنان
سے حیفا کو تشریف لاتے ہوئے عکا میں کچھ دیر قیام فرماتے ہوئے احمدی بھائیوں کی [illegible] میں

قبر دیکھتے ہوئے حیفا میں تشریف لائے اور حیفا سے مصر کو روانہ ہوئے اور اسی دمشق کے سفر میں
حضور نے الشیخ (مولوی) عبدالقادر المغربی سے گفتگو کے درمیان (جب انہوں نے کہا کہ افریقہ وغیرہ
میں تو آپ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ اور ہم آپ کے ممنون ہیں اور ہم آپ کے کام کی بہت تعریف
کرتے ہیں۔ مگر آپ یہاں تبلیغ نہ کریں۔ یہاں آپ کو کامیابی نہ ہوگی) فرمایا کہ مشن تو ہم نے ہر جگہ
قائم کرنے ہیں مگر آپ کے یہ کہنے پر کہ یہاں کوئی نہ مانیگا اور یہاں کامیابی نہ ہوگی میں اپنے
مرکز میں جا کر سب سے پہلا جو کام کرونگا وہ یہی ہے کہ آپ کے ملک میں اپنا مبلغ بھیجونگا۔ اور آپ کو
دکھا دوں گا کہ کیا ہمیں یہاں کامیابی ہوتی ہے یا نہیں۔ چنانچہ حضور نے یورپ سے واپس
قادیان دارالامان تشریف لانے پر سب سے پہلا مشن مشتمل بر حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ
شاہ صاحب و برادرم مولانا جلال الدین صاحب شمس جون ۱۹۲۵ء میں ملک شام کی طرف
روانہ فرما کر اپنا وعدہ پورا فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس الہام کے مطابق جو شہر
دمشق کے اندر آپ پر عَبْدٌ مُکَرَّمٌ[1] کے الفاظ میں نازل فرمایا۔ اور آپ کو دمشق میں مرجع خلائق
بنا دیا۔ اور اس قدر کثرت سے لوگوں کو دمشق میں آپ کے پاس لایا کہ پولیس والوں کو انتظام
کرنا مشکل ہو گیا۔ اور ہوٹل والے تنگ پڑ گئے۔ اور لوگ آپ پر پروانوں کی طرح گر رہے تھے[2]
اس مشن کے ذریعہ مزید پوری شان کے ساتھ پورا فرمایا۔ اور خاکسار کو بھی متواتر اٹھارہ سال
تک بلاد عربیہ میں اللہ تعالیٰ کے اس عَبْدٌ مُکَرَّمٌ (معزز بندہ) کی شان اور کلام عربی
زبان میں زمین کے کناروں تک پہنچانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور عرب ممالک کے دینی و
علمی مرکز نے ۱۹۴۴ء میں وفات مسیح کا ازہر سے اعلان کر کے حضرت خلیفۃ المسیح کی شان کو
بلند و بالا کر دیا۔ فالحمد للہ الفاً الفا۔ اور الشیخ عبدالقادر المغربی اس وقت تک فوت
نہ ہوئے جب تک کہ بلاد عربیہ میں محمود کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے احمدیوں کی تعداد تقریباً
چار ہزار تک نہ پہنچ گئی۔

۱۹۴۳ء میں شیخ عبدالقادر مغربی سے ان کے مکان پر السید منیر الحصنی صاحب
اور بعض دیگر احمدی احباب کے ہمراہ میری ملاقات ہوئی۔ وہ بڑی محبت اور تپاک سے ملے
وہ اس وقت المجمع العلمی العربی کے وائس پریذیڈنٹ تھے۔ عربی زبان کے اُمّ الالسنہ ہونے
پر بھی گفتگو ہوئی۔ اور ان کو خاص شہر دمشق کے احمدیوں کا ایک تازہ فوٹو بھی دکھایا جس سے

---

[1] سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے:۔
إنّي من الرحمٰن عبدٌ مكرّمٌ ۞ سمٌّ معاداتي وسلمي أسلم (حقیقۃ الوحی)

[2] اس عرصہ کے الفضل میں تفصیل موجود ہے۔

وہ خوش بھی ہوئے اور حیران بھی ہوئے۔

الحاج محمد المغربی کی ملاقات

بہرحال مکرم محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس دمشق میں جماعت قائم کرنے کے بعد مارچ ۱۹۲۸ء میں حیفا (فلسطین) پہنچ گئے۔ ۱۹۲۹ء کی گرمیوں میں آپ ایک دن اپنے چند احمدی احباب شہر حیفا۔ الشیخ علی صالح القزق۔ برادرم رشدی البسطی ادیا ایک اور صاحب کے ہمراہ بغرض سیر و تفریح کبابیر کے راستہ وادی السیاح میں چشمہ پر (جس کا نام عین ام الفرج ہے) تشریف لائے۔ وہاں پر برادرم سلیم محمد الربانی (جو احمدیت میں داخل ہونے کے بعد دینی معلومات میں ترقی کر جانے پر الشیخ) مولوی سلیم محمد الربانی[1] کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور برادرم حسین علی فرعون بھی انہیں وہاں مل گئے۔ یہ دونوں برادران محترم مولانا شمس صاحب سے یعقوب الظریفی کے ذریعہ جو بعد میں مرتد ہو گیا اور کافی سزا خدا تعالیٰ کی طرف سے پائی اور ہر طرف سے ذلت و خواری کاٹی دیکھا) حیفا میں مل گئے۔ اور برادرم حسین علی فرعون بیعت بھی کر چکے تھے۔ اور اپنے استاذ الحاج محمد المغربی صاحب سے بھی ذکر کر چکے تھے۔ کہ حیفا میں ایک ہندوستانی مولوی آیا ہے جو کہتا ہے کہ امام مہدی ہندوستان میں ظاہر ہو چکا ہے اور وہ اس کا مبلغ ہے اور حاجی صاحب نے ان سے کہا تھا کہ اس سے ضرور کسی دن میری ملاقات کراؤ۔ چنانچہ اس موقعہ پر دونوں برادران مذکورہ بالا کی طرف سے حاجی صاحب کا ذکر ہونے پر محترم شمس صاحب نے انہیں اس کھیت سے بلا لیا۔ جہاں حاجی صاحب پہرہ دار تھے۔ حاجی صاحب محترم شمس صاحب کی ملاقات کر کے بہت خوش ہوئے۔ اور بتلایا کہ میں تو سیدی محمد بن ادریس کے ذریعہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آج سے بہت پہلے مان چکا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور بیعت خلافت کر لی۔ اور اس طرح یہ گوہر گمشتہ ۱۹۲۹ء کی گرمیوں کے موسم میں چشمہ ام الفرج[2] پر مل گیا فالحمد للہ علی ذالک۔ اور ان کے بیعت کر لینے کے بعد برادرم الشیخ سلیم محمد الربانی نے بھی ان کی اقتداء میں بیعت کر لی۔

حاجی صاحب مولانا شمس صاحب کی خدمت میں

اب ہمارے حاجی صاحب کو جنگل میں بموجب حدیث نبوی اکیلے رہنا کس طرح پسند آسکتا تھا اس لئے آپ کچھ دنوں کے بعد محترم مولانا شمس صاحب کی دعوت پر ان کے ساتھ حیفا شہر میں

[1] فروری ۱۹۴۵ء میں فوت ہو گئے اور اپنے قصبہ طیرہ میں دفن ہوئے۔ غفر اللہ لہ۔ ان کی لڑکی محترمہ بشریٰ ربانی کی ۱۹۵۶ء میں چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب سے شادی ہوئی تھی۔ (محمد شریف)

[2] اردو میں اسے چشمہ کشائش کہہ سکتے ہیں۔ منہ

رہتے اور آپ کی خدمت کرنے لگے۔ بازار سے سودا سلف لا دیتے۔ ڈاک خانہ سے ڈاک لے آتے ڈاک روانہ کرتے۔ آپ کے پاس آنے والے لوگوں کو قرآن شریف کے ذریعہ تبلیغ کرتے۔

ایک وقعہ کا ذکر بڑے خوش ہو کر سناتے کہ کچھ شرارتی لوگ مولوی صاحب کے پاس آ گئے ان کی نیت بخیر نہ تھی۔ رات کچھ زیادہ گذر گئی۔ مجھے خیال آیا کہ کہیں مولوی صاحب پر حملہ نہ کر دیں بڑی الٹی بحث کج بحثی سے کر رہے ہیں۔ یہ تو شیطان معلوم ہوتے ہیں۔ اور شیطان کو میں اور مولوی صاحب دونوں مل کر بھگا نہیں سکتے۔ اس لئے ان کا علاج آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ نسخہ سے کرتا ہوں چنانچہ میں نے اذان دینی شروع کر دی اور اذان سے شیطان بھاگتا ہے۔ میں نے اذان ابھی ختم نہ کی تھی کہ وہ سب کے سب خود بخود ہی نکل کر چلتے بنے کیونکہ اذان کے بعد نماز پڑھنی ضروری تھی۔ اور وہ بھلا نماز کے نزدیک کب جانے والے تھے اور اس طرح خدا تعالیٰ نے مجھے اور مولوی صاحب کو ان کے حملہ سے بچا لیا۔

حاجی صاحب کبابیر میں

۱۹۳۰ء میں جب کبابیر میں میرے نہایت ہی صادق و محب اور جان فدا کرنے والے بزرگ دوست۔ ان کی بیوی کے نانا۔ پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ کبابیر الحاج صالح عبدالقادر عودۃ اپنے اہل و عیال و والدین اور برادران سمیت بیعت کر کے داخل احمدیت ہو گئے۔ تو ہمارے الحاج محمد المغربیؓ کبابیر میں آ گئے اور کبابیر کے زاویہ[1] میں اپنا ڈیرا لگا لیا۔ اور کبابیر کے بچوں کو قرآن شریف پڑھانا شروع کر دیا۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں یہ کام اس لئے کرتا ہوں کہ میں ان کو خدا کی کتاب پڑھاؤنگا تو پھر مجھے جو روٹی خدا بھیجے گا وہ مفت نہ ہوگی۔ میں نے اس کا کلام اس کے بندوں کو پڑھایا اور اس نے مجھے بغیر سوال کرنے کے روٹی بھیجدی۔ اور آپ کبابیر میں ۱۹۳۳ء میں مدرسہ احمدیہ باقاعدہ قائم ہو جانے تک یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔

آپ کا طریقہ تعلیم بھی وہی قدیم طریقہ تھا۔ جس پر آپ نے تعلیم پائی تھی کہ تختی لکھ دی۔ اور شاگرد سارا دن اسے زبانی یاد کرتا رہا۔ اور دوسرے دن دوسری تختی لکھ دی اور قرآن شریف کے علاوہ کوئی اور کتاب پڑھنا پڑھانا آپ حسبنا کتاب اللہ کے خلاف سمجھتے تھے۔ ع

وللناس فیما یعشقون مذاہب

[1] زاویہ۔ مہمان خانہ یا سرائے جہاں مسافر آ کر ٹھہر سکتے ہیں۔ اور گاؤں والوں کا ترکی حکومت کی طرف سے فرض تھا کہ وہ مسافروں کے لئے کھانے اور بستر کا بندوبست کریں اور اس وجہ سے نمبردار کو حکومت کی طرف سے کچھ مراعات ملتی تھیں (محمد شریف)

مسجد اور مطبع کی خدمات

مدرسہ احمدیہ قائم ہو جانے کے بعد کبابیر میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے
جامع سیدنا محمود یعنی احمدیہ مسجد بھی بن گئی۔ اور آپ اس سے ملحقہ زمین
کی طرح کام کرتے رہے۔
حصہ میں منتقل ہو گئے۔ مسجد کی تعمیر میں باقی احباب کے ساتھ مزدوروں
اوران ایام میں سوائے ذکر الٰہی تلاوت قرآن شریف (جو آپ کو زبانی یاد تھا) اور آنحضرت صلی اللہ
کے کوئی کام نہ تھا۔
علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام اور استغفار
۱۹۳۵ء میں جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے کبابیر میں احمدیہ پریس بھی قائم ہو گیا۔ اور کبابیر
میں بجلی نہ تھی۔ اور یہ پریس کسی زمانہ میں ضیاء الاسلام پریس قادیان یا انوار احمدیہ پریس قادیان
کی طرح ہاتھ سے چلانا پڑتا تھا تو یہ خدمت حاجی صاحب نے اپنے ذمہ لے لی۔ جب آپ کم و بیش
۱۸ سال تک متواتر یعنی ۱۹۵۳ء تک باوجود بہت معمر۔ کمزور اور نظر بند ہو جانے کے بھی بجا لاتے
رہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔
کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ جب کوئی نوجوان احمدی موجود نہ ہوتا۔ اور پریس چلانے والا اپنے
پاؤں سے پریس چلاتے ہوئے تھک جاتا۔ تو آپ کو بلا لیا جاتا۔ اور آپ خوشی سے آجاتے۔
اور پانچ شیٹ تو ایک دم میں ہی نکلوا دیتے۔ کرسی پر بیٹھ جاتے اور چلاتے رہتے۔ گذشتہ
واقعات بھی پریس میں سناتے جاتے یا یہ کہہ دیتے کہ میرا آج کا سبق (یعنی قرآن شریف
کا ایک صفحہ) ابھی حفظ نہیں۔ اس لئے تم مجھے ساتھ ساتھ قرآن شریف کی آیت بتلاتے جاؤ۔
اور میں تمہارا کام کرتا جاتا ہوں۔ سبحان اللہ! کیسی عجیب روح تھی۔ مجھے جب کبھی ان کی یہ
للہی خدمت یاد آتی ہے تو بے قرار ہو جاتا ہوں۔ جعل اللہ الجنۃ مثوٰہ واکرم
نزلہٗ۔ آمین۔
۱۹۳۸ء میں فلسطین میں پہنچا۔ اس وقت الحاج محمد المغربی کی عمر اندازاً اسّاٹھ برس
کے قریب ہوگی۔ ان ایام میں آپ باستثناء جمعہ کے روزانہ روزہ رکھتے تھے اور جب سے
آپ مکہ مکرمہ میں پہنچے تھے اسی وقت سے انہوں نے یہ مجاہدہ اختیار کیا ہوا تھا صحت بہت
اچھی تھی جمعہ کے دن اپنے کپڑے وغیرہ خود دھوتے اور ہر ایک جماعتی کام میں حصہ لیتے۔ جب
۴۰-۱۹۳۹ء میں ہم نے احمدیہ پریس اور احمدیہ لائبریری کا کام شروع کیا۔ اور اس غرض کے
لئے احمدیہ مسجد کی مغربی جانب کی دیوار کے ساتھ جو چٹان دس فٹ کے قریب اونچی تھی۔ اسے
توڑنا اور اڑانا شروع کیا۔ اس وقت حاجی صاحب بھی صبح سے شام تک احباب جماعت
کے ساتھ اجرت والے مزدوروں سے بھی بڑھ کر ہمت و چستی اور تندہی سے کام کرتے تھے۔ کام
بھی کرتے۔ لطائف و ظرائف بھی سناتے اور ذکر الٰہی بھی جاری رکھتے۔ ۱۹۴۲ء سے میں بھی

ان کا دیوار بہ دیوار ہمسایہ بن گیا۔ حاجی صاحب کو رات دن قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اور
آپس میں بہت محبت ہو گئی۔

حج بیت اللہ کے لئے روانگی اور واپسی

حاجی صاحب ۱۹۴۰ء میں کہنے لگے کہ میں حج کے لئے جانا چاہتا ہوں
اور استخارہ کر لیا ہے۔ آپ اجازت دیدیں۔ میں نے بادل ناخواستہ
اجازت دیدی۔ اپنی طاقت کے مطابق کچھ زاد راہ بھی دے دیا۔ اور
برادرم حامد صالح عودہ کو بیت المقدس تک ان کے ساتھ بھیجا۔ چونکہ آپ نے پاسپورٹ نہیں
بنوانا تھا اس لئے آپ براستہ خشکی روانہ ہوئے۔ عمّان (اردن) پہنچے۔ اور وہاں سے معان
(اردن)۔ اور آگے پیدل چلے۔ دوسری جنگ عظیم کے دن تھے۔ سعودی حکومت اور اردن کے
تعلقات بھی پہلے سے خراب تھے۔ اس لئے آپ کو آپ جیسے دوسرے حاجیوں کے ساتھ ہی واپس
کر دیا گیا۔ واپس آنے پر آپ معان میں بیمار ہو گئے پیدل سفر کی وجہ سے آپ کی نظر اور جسمانی حالت
پر بہت برا اثر پڑا۔ اور آپ کی نظر تقریباً کالعدم ہو گئی۔ دو سال کے بعد اتفاقاً ہمارے
برجا الیہتان کے ایک نہایت ہی مخلص اور پُرجوش احمدی تاجر الشیخ ابو سلیم عبدالرحمٰن السعیفان
اپنی تجارت کے سلسلہ میں معان گئے تو اچانک ایک مسجد میں حاجی صاحب کے ساتھ ملاقات ہو گئی
اور انہوں نے مجھے حالات سے اطلاع دی اور لکھا کہ بوجہ بیماری و معذوری یہاں مجبور اً رہ گئے
ہیں اور اب کبابیر نہیں آسکتے۔ چنانچہ میں نے انہیں لکھا کہ آپ انہیں یہاں بھیجدیں۔ اور
اخراجات ہم ادا کر دیں گے اور اس طرح ہمارا ایک بہت ہی اچھی نیت سے ہم سے جدا شدہ
بزرگ ہمیں خدا تعالیٰ کے فضل سے دوبارہ مل گیا۔
اس سفر نے ان کی صحت اور آنکھوں پر ایسا اثر ڈالا۔ کہ پھر آپ کی صحت خراب ہی رہی
اور نظر بند ہو گئی جس کے متعلق ہمارے احمدی ڈاکٹر صاحبان نے بتایا کہ اس کا اپریشن نہیں
ہو سکتا۔ حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ یہ بھی ایک قسم کا کفارہ ہو رہا ہے۔ مگر باوجود اس حالت
کے بھی جیسا کہ قبل ازیں ذکر ہوا۔ آپ ۱۹۵۳ء تک احمدیہ پریس میں بھی خدمت بجا لاتے رہے

روزہ داری اور شب بیداری

جب دوسری جنگ شروع ہوئی تو حاجی صاحب نے جمعہ کے
دن کا بھی روزہ رکھنا شروع کر دیا۔ اور کسی دن بھی روزہ
نہ چھوڑتے تھے۔ جب بھی کہا جاتا۔ کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ یہی جواب دیتے کہ جب تک
ہم روزے نہ رکھیں اور دعائیں نہ کریں۔ دجال پگھل نہیں سکتا۔ اور میں اس موقعہ (جنگ)
کو غنیمت سمجھتا ہوں۔ اس لئے دجال کے پگھلنے کے لئے خاص دعائیں کرتا ہوں۔ میرے نزدیک
ایسے ہی بزرگوں کی دعائیں ہیں جن کی وجہ سے جنگ عظمیٰ کے بعد اسیروں کے رستگار کے عہد

ہیں دنیا کے مختلف ممالک میں مسلمان اور غیر مسلمان اسیروں کی رُستگاری نصیب ہو گئی ہے اور آج کئی نئی نئی آزاد شدہ حکومتیں دُنیا میں قائم ہو گئی ہیں ؎

"کہاں مرتے تھے پر تُو نے ہی مارے"

حاجی صاحب بلا ناغہ رات کے دو بجے تہجد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے۔ پھر باجماعت نماز فجر ادا کرتے۔ پھر اپنے ذکر الٰہی کو شروع کر دیتے۔ پھر سارا دن قرآن شریف کے ایک صفحہ کا دور چلتا رہتا۔ یہاں تک کہ عشاء کی نماز ہو جاتی۔ اور آپ اپنے اندھیرے کمرے میں چلے جاتے۔ چراغ عمداً نہیں جلاتے تھے۔ اور اس طرح ہمارے کسی زمانہ میں پڑھے ہوئے رسالہ "القشیریۃ" کے صوفیاء کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

اہل کبابیر کی طرف سے خدمت

برادران جماعت احمدیہ کبابیر ان کی خدمت کرنا اپنے لئے باعث ثواب سمجھتے تھے۔ سات گھروں نے اپنے ذمہ یہ واجب کر رکھا تھا کہ اپنے مقررہ دن کا دو وقت کا کھانا مغرب کی نماز کے وقت حاجی صاحب کے لئے لا دیتے تھے۔ چونکہ حاجی صاحب نے روزہ بھی ضرور باوجود ہمارے کئی دفعہ منع کرنے کے رکھنا ہوتا تھا۔ اس لئے یہی کھانا ان کی سحری اور افطاری کا کام دیتا تھا۔ کھانا خواہ کیسا ہی ہو۔ حاجی صاحب نے کبھی اس کا کوئی نقص بیان نہیں کیا۔ اور اگر کوئی صاحب اپنے مقررہ دن کا کھانا لانے سے کسی وجہ سے مثلاً دن آگے پیچھے خیال کر لیا یا دیر ہو گئی۔ یا کھانا آ ہی نہ سکا۔ تو حاجی صاحب نے کبھی یاد نہیں دلایا۔ جب مجھے ان کی اس عادت کا علم ہو گیا۔ تو پھر میں اور بعض دیگر احباب اس بات کا خیال رکھتے رہے کہ یہ غلطی ہم سے نہ ہو۔ جب کبھی حاجی صاحب سے کہا۔ کہ آپ نے بتایا کیوں نہیں؟ تو انہوں نے یہی جواب دیا۔ کہ آج اللہ تعالیٰ نے آزمانا چاہتا ہوگا۔ کہ کیا میں صبر کرتا ہوں یا نہیں

میری طرف سے خدمت

بطور تحدیث نعمت میں یہاں یہ بھی لکھ دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۵ء تک مجھے بھی حاجی صاحبؓ کو ہفتہ میں ایک دن کا کھانا پیش کرنے کی سعادت دی۔ اور جب کبھی کوئی ناموافق کھانا کھانے کی وجہ سے حاجی صاحبؓ کو کوئی تکلیف ہو گئی۔ اور حاجی صاحب نے بوجہ میرے ہمسایہ ہونے کے اور میرے ان کو بار بار عرض کر دینے کے کہ ہم آپ کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار ہیں اور آپ میرے گھر کو اپنا گھر سمجھیں جب کبھی چائے یا لسی اور کھانے پینے کی چیز کے لئے کہا تو خواہ رات کے دو یا تین ہی کیوں نہ بجے ہوں میری بیوی نے ان کی خدمت کو سعادت سمجھا۔ اور فوراً چیز بنا کر پیش کر دی۔ اور حاجی صاحب نے ہمارے لئے خاص دعائیں کیں۔

حاجی صاحب کی پُرخلوص اور بابرکت عیادت

۱۹۵۰ء میں جب میں چھ ماہ تک سخت بیمار رہا۔ ان دنوں مجھ پر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ دو صد شلنگ مرکز نے مجھے اتفاقاً کسی غلط فہمی کی بنا پر یعنی مصلحت الٰہی سے میری بیماری سے پہلے بھیج دیا تھا اور میں حیران تھا کہ یہ مجھے کیوں بھیج دیا گیا۔ رب کا سب خرچ ہو گیا۔ اور میں بوجہ بیماری کے سخت کمزور اور ساتھ ہی تہی دست بھی ہو گیا۔ کسی سے مانگ بھی نہ سکتا تھا۔ قرضہ بھی نہ لے سکتا تھا۔ اس وقت ایک دن حاجی صاحب میری عیادت کے لئے آئے اور ایک پوٹلی میں باندھی ہوئی کچھ رقم مجھے دی۔ اور کہا کہ یہ خرچ کر لیں۔ میرے پاس اس وقت یہی رقم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شفا دے گا۔ میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔ بس یہ پہلی رقم تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس قدر رقوم اپنے بندوں کے ذریعہ بھیجیں۔ جیسے وہ بارش کرتا ہے۔ ابھی تک مجھے وہ غیر احمدی (اور اب احمدی) احباب یاد ہیں۔ جو خود بخود بغیر کسی تحریک کے اپنے مال سے مدد کر گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا بھی دے دی۔ فالحمد للہ رب العالمین وجزاهم الله جميعًا احسن الجزاء

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا ہی خوب فرمایا۔ اور ہماری دعا کی بند مهادی ؎

لطف او ترک طالباں نہ کند
ہر کہ در کار راہش زیاں نہ کند

باوجود افلاس کے ادائیگی چندہ میں اخلاص

الحاج محمد المغربی رضی اللہ عنہ کی آمد کا کوئی دنیوی ذریعہ نہ تھا۔ وہ تارک دُنیا تھے۔ مگر جو رقم بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ذریعہ سے آپ کو بھیج دیتا۔ وہ آپ جمع رکھتے۔ اور جب کبھی ہماری طرف سے کوئی تحریک ہوتی۔ تو چندہ دے دیتے۔ چنانچہ ماہوار چندہ کے علاوہ جو آپ باقاعدگی سے ادا کرتے تھے۔ جب تک میں کبابیر میں رہا۔ آپ تحریک جدید کا چندہ بھی ادا کرتے رہے[1] ہسپانوی زبان میں ترجمہ قرآن شریف کے لئے بھی (کیونکہ عرب ممالک کے لئے حضور نے اس میں حصہ لینے کا ارشاد فرمایا تھا)

[1] آپ نے گیارہ صد پچپن ٹرنش چندہ تحریک جدید ادا کیا (پانچ ہزاری مجاہدین ص ۲۷۷) اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ آپ کی کوئی آمد نہ تھی ظاہر ہے کہ وہ ساری آمد ہی گویا فی سبیل اللہ دے دیتے تھے۔ (مؤلف)

چندہ دیا۔ اور میں کہہ سکتا ہوں کہ جب سے فلسطین میں احمدیہ مشن قائم ہوا۔ اور احمدی مبلغ کی طرف سے کوئی کسی قسم کے چندہ کی تحریک ہوئی۔ آپ نے جب بھی بلا استثناء حصّہ لیا۔ سچ ہے الغنی غنی النفس۔ ایک دفعہ آپ بیمار ہو گئے۔ اور آپ نے بعض احباب جماعت کو بلا کر یہ وصیّت بھی کر دی۔ کہ میرے پاس اس وقت اس قدر روپیہ (چند پاؤنڈ) ہے۔ اور وہ فلاں کے پاس رکھا ہوا ہے۔ میری وفات کے بعد الاستاذ محمد شریف کو دے دیا جائے۔ اور وہ اس قدر "مولانا الخلیفة" یعنی حضرت خلیفة المسیحؑ کی خدمت میں بھیج دیں۔ اور اس قدر خود لے لیں۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ حاجی صاحب شفا یاب ہو گئے اور ہمیں آٹھ دس سال مزید ان کی دعاؤں سے حصّہ لینے کا موقعہ مل گیا۔

حاجی صاحب ایسے لوگوں کے زُمرہ میں شمار ہونے کے لائق تھے۔ جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسّلام نے فرمایا ہے۔ کہ اگر کسی شخص کے متعلق ثابت ہو جائے۔ کہ وہ نیک، صالح اور متقی تھا۔ اور وہ دین کے لئے اپنی زندگی وقف رکھتا تھا۔ اور اس کے پاس کوئی جائیداد نہ تھی۔ تو وہ بھی بہشتی مقبرہ میں دفن کیا جا سکتا ہے۔

دعاؤں کی قبولیت
قرآن مجید سے عشق

ہندوستان کے جس قدر فوجی احمدی احباب کرنل سے لے کر ایک معمولی سپاہی تک دوسری جنگِ عظیم کے درمیان کبابیر میں احمدیہ مشن دیکھنے کے لئے آئے۔ وہ سب ہی حاجی صاحب کے متعلق بہت اچھا اثر لے کر گئے۔ ان میں سے اکثر احمدی احباب ابھی تک حاجی صاحب کو نہ بھولے ہوں گے۔ کئی فوجی احباب نے اپنے ملک کو جلد واپسی کے لئے دعا کی درخواست کی۔ اور حاجی صاحب کی دعا کی قبولیت کا نظارہ جلد انہوں نے دیکھا۔

جب حاجی صاحبؓ خود قرآن مجید پڑھنے سے قاصر ہو گئے۔ تو ہر نماز کے بعد ان کی یہی خواہش ہوا کرتی تھی کہ میرا قرآن شریف کا آج کا صفحہ مجھے یاد کرا جاؤ۔ اور وہ کسی نہ کسی کو ضرور "پکڑ" ہی لیتے تھے۔ خواہ اسے کس قدر کام ہی کیوں نہ ہو۔ بوڑھے آدمیوں میں جو بہت بڑی عمر کو پہنچ گئے ہوں۔ ایسا جذبہ محبت قرآن کم ہی نظر آتا ہوگا۔

جذبۂ انکسار۔ احمدیہ لٹریچر کا مطالعہ

جامع سیدنا محمود میں پانچ وقت اذان دینا اور اقامت کہنا آپ ہی کا کام تھا۔ اذان

کروانے کے شائقین میں سے آپ نہ تھے۔ اور بعض دفعہ باوجود اصرار کرنے کے بھی آپ امام نہ بنتے تھے۔ بہت معمّر ہو جانے پر بھی آپ کی آواز میں کافی زور اور گونج تھی۔ فرماتے تھے پہلے میری آواز اذان کے لائق نہ تھی۔ پھر میں نے دعا کی۔ تو یہ آواز عنایت ہو گئی۔

۱۹۴۰ء تک احمدیہ مشن بلادِ عربیہ کی طرف سے شائع شدہ کتابیں بڑی غور سے آپ نے پڑھی ہوئی تھیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے عربی قصائد کا بہت سا حصّہ آپ کو زبانی یاد تھا۔ اور اسلامی اصول کی فلاسفی (عربی) ترجمہ حضرت مولٰینا سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب بھی آپ نے ایسے یاد کی ہوئی تھی جسے پنجابی زبان میں "گھوٹا لگانا" کہتے ہیں۔

حریتِ وطن کی خواہش

آپ کی بڑی خواہش تھی۔ کہ آپ کا ملک بھی کسی طرح دوبارہ مسلمان بن جائے۔ اور دجّال وہاں سے بھی نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی میں آپ کی یہ خواہش بھی پوری کر دی۔ اور تونس میں دوبارہ مسلمان حکومت قائم ہو گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ قول نبویؐ ہے۔ حب الوطن من الایمان۔

ایک خواب

ایک دفعہ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ میں مصر گیا۔ اور جامع ازہر میں رُواق المغاربة "یعنی North African students Zone" میں ٹھہرا۔ وہاں ایک عالم سے وفاتِ مسیحؑ (یا خدا جانے کسی اور مسئلہ پر اب مجھے یاد نہیں رہا) بات چیت ہوئی۔ میں نے قرآن شریف کی آیت پیش کی۔ اس نے کہا ہم تو وہ مانتے ہیں جو اس کتاب میں لکھا ہے۔ میں نے کہا تو خدا کی کتاب کو نہیں مانتا۔ اور اپنی اس انسانی کتاب کو اپنا مُرشد مانتا ہے۔ اس پر میں نے گفتگو بند کر دی۔ رات کو مجھے خواب میں بتلایا گیا۔

اَوَّلًا كَانَ الْاَزْهَرُ اَمَّا الْاٰنَ فَاَذْعَرُ۔

یعنی پہلے تو واقعی ازہر (چنبیل کی کلی کے موافق سفید اور خوبصورت) تھا۔ مگر اب تو اودباشی ہے۔ اس پر میں صبح سویرے ہی الجامع الازہر سے رخصت ہو گیا۔

وفات

آپ کی وفات کے وقت صحیح عمر کا علم نہیں۔ کیونکہ حاجی صاحب کے پاس کوئی تحریری یادداشت نہ تھی۔ اور نہ ہی ان کو اوائل عمر کا علم تھا کہ کتنی گذری اور کہاں گذری۔ اس لئے عمومًا ان کے بیان کردہ واقعات اور عام جسمانی حالت

کو دیکھ کر اندازہ لگایا ہے۔ کہ بالآخر یہ خدا رسیدہ بندہ تقریبًا اسّی نوّے برس
عمر پا کر اس دنیا سے بتاریخ ۸ اردسمبر ۱۹۶۰ء (مطابق ۳۰ جمادی الثانی ۱۳۸۰ھ)
جب تہجد کے لئے اٹھا۔ اور طلوع فجر سے قبل جامع سیّدنا محمود کبابیر میں تہجد کی آٹھ
رکعات اور وتر پڑھے اور فجر کی نماز کے انتظار میں تھا کہ اسی جامع سیّدنا محمود میں جس
کی تعمیر میں ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۴ء تک حصہ لیتا رہا۔ اور کم و بیش تیس سال تک اپنا اکثر
وقت اسی مقام پر ذکر الٰہی اور تلاوت کلام اللہ میں گذارا اور کثرت سے دعائیں کیں۔
اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ٥ اللّٰھُمَّ اغفرلهٗ
وارحمهٗ واجعل الجنة مثوٰه واکرم نزله آمین برحمتك یا ارحم الراحمین۔

گو ہمارے الحاج محمد المغربی ؓ نے اپنے وطن مغرب میں صرف سترہ۔ بیس سال
گذارے۔ پھر حجاز، یمن۔ مصر، شام و لبنان میں بھی اپنی عمر کا کچھ حصہ بسر کیا۔
مگر فلسطین میں آپ ان سب ممالک سے زیادہ یعنی چالیس سال ٹھہرے۔
کبابیر کرمل پہاڑ کی ایک چوٹی پر اور سمندر کے کنارے پر واقع ہے۔[1] اور آج
کل حیفا شہر کا ایک حصہ اور صحت افزا مقام اور بہترین سیرگاہ اور جاذب نظر منظر ہے
اور بلادِ عربیہ میں احمدیت کا ایک زبردست مرکز ہے۔ جس سے ہر چہار اطراف عالم
میں عربی زبان میں احمدیت کی دعوت پہنچی ہے۔ اور سلسلہ احمدیہ کا بیش بہا عربی
لٹریچر کثرت سے شائع ہوا ہے۔ کبابیر میں حاجی صاحب نے تیس۳۰ سال تک اپنی
زندگی کے آخری سال عبادت الٰہی میں گذارے اور آخر کبابیر میں ہی دفن ہوئے۔
جہاں پہلے بھی قادیان کی خدا تعالیٰ کے دین کے راستہ میں پہلی احمدی مہاجرہ عورت
(میری پہلی بیوی فضل بی بی غفر اللہ لہا) دفن ہے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ الحاج
محمد المغربی رضی اللہ عنہ نہ صرف تونس ہی کے خدا رسیدہ احمدی بزرگ تھے۔ بلکہ آپ
کبابیر فلسطین کے بھی خدا رسیدہ احمدی بزرگ تھے۔ غفر اللہ لهما وادخلهما
بالجنة۔

خدا کرے کہ ایسے خدا رسیدہ بزرگ ہمیشہ احمدیت کو ملتے رہیں تا احمدیت اپنے نیک
نمونہ سے لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف کھینچ کر لاتی رہے اور ہر زمانہ میں یہ زندہ نمونہ ہم میں موجود
رہیں۔ آمین۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

[1] کرمل (عبرانی میں) خدا کا انگور کا باغ۔ منہ
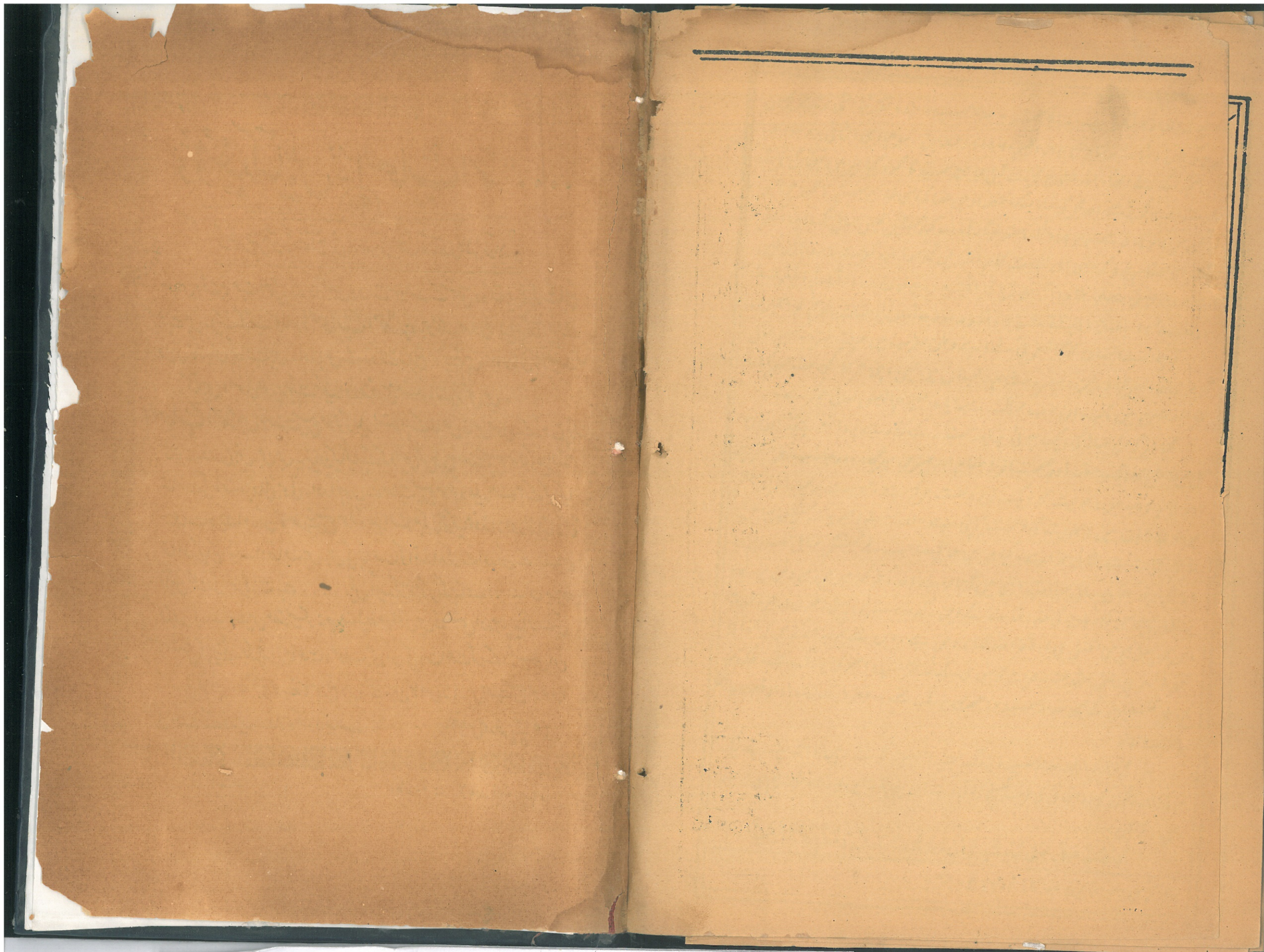
دو مفید کتابیں۔ "اصحابِ احمدؑ"....

رقم فرمودہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالیہ

"اس وقت جماعت احمدیہ کے دو مخلص دوست سلسلہ کے متعلق دو کتابیں لکھ کر شائع کر رہے ہیں۔ ایک کتاب کا نام اصحابِ احمدؑ ہے۔ جو ملک صلاح الدین صاحب ایم اے درویش قادیان لکھ رہے ہیں۔ اور اس کے دو حصے شائع ہو چکے ہیں۔ اور باقی زیر تصنیف .... کتابیں اصولی طور پر بہت مفید اور ضروری معلومات پر مشتمل ہیں۔

اصحابِ احمدؑ میں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاص خاص صحابہ کے روح پرور حالات درج ہیں۔ جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہیں کس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شناخت کی طرف رہنمائی ہوتی۔ اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کیا کیا نشانات دیکھے اور ان کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیساتھ کیسا مخلصانہ اور فدائیانہ تعلق تھا اور کیا کیا نیک اوصاف ہیں۔ جن کی جماعت کو اقتداء کرنے اور ان کے رنگ میں رنگین ہونے کی ضرورت ہے ...... میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے دوست ان ہر دو کتابوں کی اشاعت میں حصہ لیکر نہ صرف اپنے ایمانوں میں روشنی اور جلا پیدا کرنے کی کوشش کرینگے بلکہ غیر از جماعت اصحاب بھی ان کی اشاعت کر کے انہیں ان روحانی خزائن سے متمتع ہونے کا موقع دیں گے۔ جن کا اس زمانہ میں حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کے ذریعہ دروازہ کھولا گیا ہے۔"

(الفضل مورخہ ۹ $\frac{۲}{۵۲}$)

بار اول   تعداد ۱۰۰۰   مطبوعہ :- لاہور آرٹ پریس لاہ